
دیبا خانم

انتساب

جوجو کے نام

شاخ سے بچھڑا پتہ
نفرت کی اندھی گلیوں میں
بھٹک رہا ہے
فرض نوحے کی طرح
کراہ رہا ہے
ارے کوئی ہے —
پیار کا دروازہ کھولے
ورنہ ظالم ہوا
اس کا شیرازہ بکھیر دے گی

دیبا خانم

تیرے شیشے میں مے باقی نہیں ہے
بتا کیا تو میرا ساقی نہیں ہے
سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم
بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے۔

اقبال

لڑکیاں بہت سے نازک جذبوں کو اور
بہت سی کھٹی میٹھی عادتوں کو
بڑے جتن سے چھپا کر رکھتی ہیں ۔
توبہ ہے، یہ مرد بڑے چالاک ہوتے ہیں۔
کیسے کیسے حربوں سے کھنگال کر رکھ دیتے
ہیں۔

ریشمی پردوں کے پیچھے ایک ایسی ریشمی جنّت تھی جو خوابوں کو چھو کر دل میں بیٹھ جاتی ہے اور ہمہ وقت تعبیر کے لئے للچاتی رہتی ہے ۔

عزت آرا ریشمی پردوں سے چپک کر رہ گئی، نہ دہلیز کے ادھر آسکی، نہ اُدھر جا سکی۔ بعض اوقات لڑکیاں خواب اور حقیقت کے درمیان اسی طرح ساکت وجامد ہو جاتی ہیں، جو نظارہ سامنے ہوتا ہے وہ سارے کا سارا بیک وقت نظروں میں نہیں سماتا۔ وہ قیمتی ساز و سامان سے آراستہ ڈرائنگ روم بھی ایسا ہی تھا۔ حیران حیران سی آنکھوں میں بیک وقت نہیں سما سکتا تھا۔ اسی لئے عزت دہلیز پر ٹھہر گئی تھی ۔

لمحہ بھر کے لئے ساکت ہوگئی تھی۔ صرف اس کی سیاہ آنکھوں کی پتلیاں نظارہ نظارہ بھٹک رہی تھیں۔

سامنے والی دیوار پر ایک بہت بڑا فش ایکوریم تھا۔ سُرخ و سنہری مچھلیاں، فیروزی و روپہلی مچھلیاں، چاندی کی طرح چمکتی ہوئی، سونے کی طرح دمکتی ہوئی اور رنگوں کی قوس قزح بچھاتی ہوئی ادھر سے اُدھر تیر رہی تھیں۔ ایک دوسرے سے کترا رہی تھیں اور بل کھا کھا کر اپنا رُخ بدلتی جا رہی تھیں۔

ایکوریم کے نیلے پانی کا جھلملاتا ہوا عکس، دور صوفوں تک آ رہا تھا اور وہاں بیٹھی ہوئی لڑکیوں کے چہروں پر بڑی شوخی سے تھرک رہا تھا۔

"مس کم ان ——— !" ایک لڑکی نے کہا۔ "شاید آپ بھی ملازمت کے لئے آئی ہیں؟"

عزت چونک کر جاگتی دنیا میں آگئی۔

وہ یہاں ملازمت کرنے آئی تھی، خواب دیکھنے نہیں آئی تھی ——— کیا مصیبت ہے، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوچ کی لہریں ہمیشہ بہا کر لے جاتی ہیں۔ خود اس نے اپنی ایک کہانی میں ایسی ہی ایک بات لکھی تھی کہ لڑکیوں کے دماغ میں سوچ کی لہریں نہ ہوں اور آنکھوں میں

خوابوں کا خمار نہ ہو تو پھر وہ لڑکیاں نہیں رہتیں، حالات کے دھاگوں پر ناچنے والی کٹھ پتلیاں بن کر رہ جاتی ہیں۔

وہ صوفوں کی طرف جانے لگی ——— پاؤں کے نیچے قالین اتنے دبیز اور ملائم تھے کہ اس کی چال آپ ہی آپ بدل گئی۔

چال بدلنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ چلن بدل جاتا ہے۔ یہ تو وقت کی بات ہوتی ہے ——— پاؤں میں پازیب ہوں تو سہمی اور لجائی ہوئی مشرقیت آجاتی ہے۔ اونچی ایڑی کے سینڈل ہوں تو لچکتی ہوئی بیباک مغربیت پیدا ہو جاتی ہے اور قدموں تلے خوابوں کی قالین بچھتی چلی جائے تو چال میں ایکوریم کی بل کھاتی ہوئی مچھلیوں کا سا لوچ اور نزاکت آجاتی ہے۔

وہ بل کھا کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

اس کے آس پاس جتنی لڑکیاں تھیں انہوں نے چیختے ہوئے رنگوں کا لباس پہنا تھا۔ سب ہی انٹرویو کے لئے آئی تھیں۔ انٹرویو کے دوران ان کی زبان جو بولتی سو بولتی، مگر ان کا لباس اور اس کی سجاوٹ بہت کچھ بول رہی تھی۔ انہیں دیکھ کر یہ خیال آتا تھا کہ وہ ملازمت حاصل کرنے کی بجائے اپنا رشتہ طے کرنے آئی ہیں۔

انہوں نے عزت کی جانب تنقیدی نظروں سے دیکھا۔ اس لڑکی میں

کچھ بھی تو نہ تھا ____ اُجلا اُجلا سا دُھلا ہوا چہرہ تھا. کالی کالی سی
نیند میں ڈوبی ہوئی آنکھیں تھیں، پتہ نہیں ہونٹوں پر لپ اسٹک کی ہلکی
ہلکی لالی تھی یا ان لبوں کی رنگت ہی گلابی تھی ____ لڑکیاں فیصلہ نہ
کر سکیں اتنا تو وہ سمجھ ہی گئیں کہ اس لڑکی کو میدان جیتنے کا سلیقہ نہیں
آتا ہے. جبھی تو اتنی بڑی ملازمت حاصل کرنے کے لئے سفید کفن جیسا
لباس پہن کر آئی ہے۔

سفید مہرلن کی شلوار، سفید مہرلن کی قمیض ____ سیدھی سادی
تراش تھی ____ فیشن کا ہیر پھیر نہیں تھا ____ ڈوپٹہ سر پر سے
ہوتا ہوا سینے اور شانوں کے اطراف اس طرح لپٹا ہوا تھا جیسے سانپ
جسم کے خزانے پر کنڈلی مار کر بیٹھا ہو ____ اس لڑکی میں کچھ بھی نہ تھا،
پھر بھی اسے جی بھر کے دیکھنے کو جی چاہتا تھا۔

ایک لڑکی نے بڑی اپنائیت سے کہا۔

" میرا نام ناصرہ پروین ہے میں آپ کو پہچانتی ہوں. آپ روزنامہ
" آہنگ " میں خواتین کے صفحات کی انچارج رہ چکی ہیں نا ___ ؟"

" جی ہاں ___ !"

" آپ بہت اچھا لکھتی ہیں. صرف "بہت اچھا" میں اس لئے کہہ رہی
ہوں کہ آپ کی تعریف کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔"

عزت نے مسکرا کر کہا۔

" آپ نے کچھ نہ کہتے ہوئے بھی بہت کچھ کہہ دیا ہے. میری صلاحیتوں
سے زیادہ آپ نے تعریف کی ہے۔"

ایک لڑکی نے حیرت سے کہا۔

" او آئی جسٹ رممبر یو ____ میں نے ماہنامہ "خاتون" میں
آپ کی تصویر دیکھی ہے. آپ جتنی خوب صورت کہانیاں لکھتی ہیں اتنے
ہی خوب صورت اور گرما گرم اسکینڈل آپ کے متعلق سننے میں آئے ہیں۔"

عزت بجھ کر رہ گئی ____ اسے یوں لگا جیسے اس لڑکی نے اسے
بہت بڑی گالی دی ہو۔

ناصرہ نے اس لڑکی کو ناگواری سے دیکھ کر کہا۔

" لوگوں کا کیا ہے وہ تو اچھی لڑکیوں کو بھی بدنام کرنے کے لئے طرح
طرح کے اسکینڈل تراش لیتے ہیں۔"

لڑکی نے ہنستے ہوئے کہا۔

" تو کیا ہوا ____ ؟ بدنام ہونے سے کیا نام نہیں ہوتا ؟ ____ ہم
نے تو یہی دیکھا ہے کہ جو لڑکی جتنی زیادہ بدنام ہوتی ہے اتنی ہی جلدی
اسے ہر جگہ ملازمت مل جاتی ہے۔"

" رائٹ یو آر ____ تم ٹھیک کہتی ہو۔"

دوسری لڑکی نے زبان سے ہونٹوں کی سُرخی کو ذرا سا تر کیا، چمکایا ، اسے جلا دی، پھر کہا۔

" ہمیں ملازمت دینے والے مرد ہوتے ہیں ——— وہ جانتے ہیں کہ کس پر مہربان ہونا چاہیئے۔ میں تو اتنا جانتی ہوں کہ عورت کہیں بھی جائے سیل کاؤنٹر کے پیچھے رہے ——— سہاگ کی سیج پر جائے یا ملازمت کی کرسی پر بیٹھے۔ اسے ایک بھڑکیلے اشتہار کی طرح بن سنور کر رہنا پڑتا ہے ۔"

ناصرہ پروین نے غصّہ سے کہا۔

" آئی ڈونٹ ایگری ——— آپ یہ کہہ کر عورت کی توہین کر رہی ہیں ۔ عمدہ لباس پہننے اور اشتہار بن جانے میں بڑا فرق ہے ——— ہو سکتا ہے کہ غلط لوگوں سے آپ کا سابقہ پڑا ہو ۔ شاید اسی لئے آج بھی آپ اشتہار بن کر آئی ہیں ——— لیکن بہن ! تمام ادارے ایک جیسے نہیں ہوتے ۔ ابھی کچھ ادارے ایسے ہیں جہاں ہم عزت آبرو سے ملازمت کر سکتی ہیں ۔"

عزت نے ناصرہ کو پسندیدگی سے دیکھا اور کہا۔

" ہم سب فلمکار ہیں ——— ہم نے ایک معزز پیشے کو اپنایا ہے۔ اگر ہم نے اس پیشے کے وقار کو برقرار نہ رکھا تو پھر ہمیں واپس گھر کی چار دیواری میں جاکر بیٹھنا پڑے گا ——— اور ہم گھر کی چار دیواری میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھ سکتیں ۔ کوئی تو مجبوری ہے کہ ہم باہر آکر ٹھوکریں کھانے اور بار بار سنبھلنے پر مجبور ہو جاتی ہیں ۔"

ایک لڑکی نے صوفہ پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

" واقعی ابھی کچھ ادارے ایسے ہیں، جہاں ہم عزت آبرو سے ملازمت کر سکتی ہیں ——— میں ناصرہ صاحبہ کی باتوں سے متفق ہوں ——— میرا نام فرزانہ تبسم ہے ——— میرے خاوند نے خوب سوچ سمجھ کر مجھے یہاں ملازمت کرنے کی اجازت دی ہے ۔ وہ نواز صاحب کو ذاتی طور پر جانتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔"

نواز صاحب ——— !

نواز صاحب کا نام سن کر عزت کی نگاہیں پھر اس ڈرائینگ روم کی دلنواز سجاوٹ پر بھٹکنے لگیں ۔ اس خوب صورت کوٹھی کے مالک نواز احمد درانی تھے ۔

مکین اپنے مکان کی شان و شوکت سے ہی پہچانا جاتا ہے ۔ وہ کوئی خاندانی رئیس نہیں تھے ، جو کچھ انہوں نے حاصل کیا تھا ۔ وہ ان کی محنت اور مسلسل جدوجہد کا انعام تھا ۔

وہ ایک کامیاب پبلشر تھے انہوں نے اپنے ادارے سے سینکڑوں

کتابیں شائع کی تھیں۔ ماہانہ ہزاروں روپے کی آمدنی تھی کوٹھی، کار، بینک بیلنس سب کچھ تھا۔ مگر اتنا کچھ ہوتے ہوئے بھی وہ تنہا تھے۔ رشتہ داروں سے دور کی صاحب سلامت رکھتے تھے۔ کتابوں سے ایسا عشق تھا کہ کسی حسین چہرے سے دل لگانے کی کبھی فرصت ہی نہیں ملی اور نہ ہی آئندہ ایسی توقع تھی کہ وہ شادی کرنے اور اس کوٹھی کی رونق بڑھانے کے متعلق کبھی سنجیدگی سے غور کریں گے۔

ان کے دوستوں کا کہنا تھا کہ ان کے سینہ میں دل نہیں ہے دل کی جگہ بھی ایک کتاب رکھی ہوئی ہے۔ دھڑکنے کی بجائے اس کے اوراق پھڑپھڑاتے رہتے ہیں۔ دوستوں نے جب بہت زور دیا، بہت ہی اصرار کیا کہ کسی اچھی لڑکی کو اپنی عزت بنا کر گھر لے آئیں تو انہوں نے مجبور ہو کر ماہنامہ "عزت" کی اشاعت کا پروگرام بنا لیا۔

ناصرہ پروین نے مسکرا کر عزت کو دیکھا اور بڑے خلوص سے کہا۔

"ماہنامہ عزت کی مدیرہ عزت آرا ——— دیکھئے آپ کا نام رسالے کے نام سے کتنا میچ ہوتا ہے۔ میں کہتی ہوں آپ ہی کو اس رسالے کی مدیرہ ہونا چاہیئے۔"

عزت نے مسکرا کر کہا۔

"میں یہی امید لے کر آئی ہوں۔"

"ہم سب امیدوار ہیں" ——— ایک لڑکی نے کہا ——— "مگر ناصرہ صاحبہ انتخاب سے پہلے ہی آپ کے حق میں واک آؤٹ ہو رہی ہیں۔"

دوسری لڑکی نے پوچھا۔

"بھئی، ناصرہ صاحبہ کی یہ مہربانی ہماری سمجھ میں نہیں آئی؟"

"اس میں سمجھنے کی کیا بات ہے" ——— ناصرہ نے جواب دیا۔

"اس رسالے میں مدیرہ کے علاوہ اور بھی تو پوسٹ ہیں۔ میں ان کیلئے ٹرائی کروں گی۔ چونکہ عزت صاحبہ مجھ سے زیادہ باصلاحیت اور سینئر ہیں اس لئے میں خیال ظاہر کر رہی ہوں کہ انہیں مدیرہ ہونا چاہیئے۔"

اتنے میں ایک ملازم چائے اور ناشتہ کی ٹرالی لے کر آیا۔

ایک لڑکی نے پوچھا۔

"کیا ابھی تمہارے صاحب سو کر نہیں اٹھے ہیں؟"

"جی ہاں اٹھ گئے ہیں ——— ان کے حکم سے میں ناشتہ لے کر آیا ہوں۔"

ملازم جواب دے کر چلا گیا۔

ایک لڑکی نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"یہ مہمان نوازی سمجھ میں نہیں آئی ——— ہم تو انٹرویو کے لئے

آ ئی ہیں ۔"

" انٹرویو کے لئے دفتروں میں بلایا جاتا ہے، مگر ہم یہاں کال کی گئی ہیں کیا یہ عجیب سی بات نہیں ہے ؟"

فرزانہ فہیم نے کہا۔

" میں نے سنا ہے کہ نواز صاحب علیل ہیں ، دفتر نہیں جا سکتے تھے ۔ اسی لئے شاید ہمیں یہاں بلایا گیا ہے ۔"

ایک نے سینڈوچ کی پلیٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔

" ان مردوں کو سمجھنا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے ۔۔۔ یہ بظاہر عورت سے بیزار نظر آتے ہیں ، مگر خواتین کے لئے رسالے کا اجرا کرتے ہیں علالت کے بہانے گھر بلا کر مہمان نوازی کرتے ہیں اور نظروں سے دور رہ کر اپنی شخصیت کا رعب ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں ۔۔۔ نواز صاحب کے متعلق میری یہی ریڈنگ ہے ۔"

ناصرہ ان کے لئے چائے بناتی ہوئی کہنے لگی ۔

" میرا خیال ہے کہ اس مہمان نوازی کے ذریعہ ہمارے انتظار کی بوریت دور کی جا رہی ہے ۔"

عزت نے ایک گہری سانس لے کر کہا ۔

" ہم عورتیں کسی طرح مطمئن نہیں ہوتیں ، اگر ہماری عزت افزائی نہ

کی جائے تو ہم ناقدری کی شکایتیں کرتی ہیں ، اور اگر قدر دانی کے لئے کوئی چائے کی پیالی پیش کرے تو ہم اس چائے کی مٹھاس میں اپنے شک و شبہات کا زہر گھولنے لگتی ہیں ۔"

ایک لڑکی نے طنزیہ انداز میں کہا ۔

" آپ سطحی باتیں کر رہی ہیں ، یعنی آپ محض چائے کی مٹھاس کو دیکھ رہی ہیں ، آپ کو یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ کبھی کبھی چائے سے منہ بھی جل جاتا ہے ۔"

عزت نے جواب دیا ۔

" یہ چائے پینے والی کی غلطی ہے ، چائے پیش کرنے والے کی غلطی نہیں ہے ، مرد اپنے ہاتھوں سے مٹھاس پیش کرتا ہے ۔ اسے پھونک پھونک کر قبول نہ کرنے کا انجام جل جانا ہی ہے ۔"

ناصرہ نے طنز کرنے والی کی جانب پیالی بڑھا کر کہا ۔

" لیجئے ۔۔۔ پھونک پھونک کر پیجئے ۔۔۔۔۔"

تمام لڑکیاں بے اختیار قہقہے لگانے لگیں ۔

پھر اچھی خاصی گھریلو فضا قائم ہو گئی ۔

اپنی اپنی باتیں منوانے کے لئے سب ایک دوسرے سے بحث کرنے لگیں ۔۔۔ بحث کی نرمی و گرمی کے ساتھ ساتھ چائے کی پیالیاں

کھنک رہی تھیں ـــــ چمچے بج رہے تھے ـــــ قہقہے اُبل رہے تھے ـــــ تیور بدل رہے تھے ـــــ عورتیں جب باتیں کرنے بیٹھ جاتی ہیں تو انہیں آس پاس کی دنیا کا ہوش نہیں رہتا۔

وہ سب بھول گئی تھیں کہ وہ کہاں ہیں؟

کس مقصد کے لئے وہاں بیٹھی ہوئی ہیں؟

پورے ایک گھنٹہ کے بعد ملازم وہاں آکر ٹرالی واپس لے گیا تو انہیں یک بیک احساس ہوا کہ بہت سارا وقت گزر گیا ہے اور وہ سب وہاں بحث کرنے کے لئے نہیں بلکہ ملازمت حاصل کرنے کے لئے آئی ہیں۔

نواز احمد درانی بہت دیر سے اوپری برآمدے میں کھڑے ہوئے ان کی باتیں سن رہے تھے۔

وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے زینے پر آگئے۔

انہیں دیکھتے ہی تمام لڑکیاں اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔

کوئی اپنا ڈوپٹہ درست کرنے لگی۔

کوئی اپنے ہونٹوں کی سرخی پر زبان پھیر کر چائے کی مٹھاس کو یاد کرتی ہوئی نواز صاحب کے چہرے کو تکنے لگی۔

ایک لڑکی اس طرح مسکرائی جیسے فوٹو کھنچوانے کی تیاری کر رہی ہو۔

دوسری لڑکی نے اس انداز سے اپنے وینیٹی بیگ کو تھام لیا۔ جیسے کسی دکان کے شوونڈو میں آکر کھڑی ہو گئی ہو۔

عزت کا بھی ایک انداز ہوتا ـــــ کوئی ایک ادا ہوتی ـــــ اچھی ہوتی یا بری ہوتی ـــــ عورت خاموشی سے کھڑی رہنے کے باوجود اداؤں سے خالی نہیں ہوتی ـــــ لیکن عزت کو کچھ اور سوچنے اور سنبھلنے کا موقعہ نہیں ملا، کیونکہ نواز صاحب کی نظریں سیدھی اس پر پڑ رہی تھیں۔ ان نظروں میں کچھ ایسی انفرادیت تھی جو ذہن پر دستک دیتی ہیں۔

اس کی پلکیں آپ ہی آپ جھک گئیں۔

دوسرے ہی لمحہ اسے احساس ہوا کہ وہ جھجک رہی ہے۔ بھلا اس میں جھجکنے کی کیا بات تھی؟

لیکن دوبارہ نظریں ملانا بھی کہاں کی شرافت تھی؟

ایسے وقت سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے؟ ـــــ نظریں اٹھائی جائیں یا چرائی جائیں؟ ـــــ کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں الجھانے لگی۔

انگلیاں چٹخانے کا وہ کون سا وقت تھا؟ ـــــ یہ تو کھلی گھبراہٹ کا اظہار تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے

سے الگ کر دیا۔

لیکن وہ خالی ہاتھ کیسے رہ سکتی تھی؟ ——— اندر سے ڈگمگانے والی بات ہو تو اوپر سے کسی سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس نے سہارے کے لئے ڈوپٹہ کے آنچل کو تھام لیا۔

وہ کیسی کیسی بدحواسی کا مظاہرہ کر رہی تھی، وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔ کسی نے اس کی جانب توجہ نہیں دی۔ کیونکہ سب اپنے آپ میں کھوئی ہوئی تھیں ——— نواز صاحب نے بھی اسے ایک ہی بار دیکھا تھا۔

پھر وہ درمیانی زینے پر آکر رُکتے ہوئے بولے۔

"بیٹھ جایئے —!"

تمام لڑکیاں بیٹھ گئیں۔

لیکن عزت کھڑی رہی ——— نواز احمد درانی کا گمبھیر لہجہ ڈرائینگ روم میں دیر تک گونجتا رہا۔ مگر اس کی سماعت تک نہ پہنچ سکا ——— سوچ کی بپھری ہوئی لہروں میں اتنا شور ہوتا ہے — کہ دوسری کوئی آواز سنائی نہیں دیتی۔

نواز صاحب نے پھر ایک بار اسے دیکھا۔ اس بار گہری نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

"مس عزت آرا! کیا آپ جانا چاہتی ہیں؟"

اس نے چونک کر سر اٹھایا پھر دھپ سے صوفہ پر بیٹھ گئی۔

نواز صاحب نے دل ہی دل میں کہا ——— "عجیب لڑکی ہے۔ بیٹھنے کے لئے کہا تو کھڑی رہی ——— جانے کے لئے پوچھا تو بیٹھ گئی ——— یہ بہت زیادہ احمق ہے یا پھر بہت زیادہ چالاک ہے ایسے عجیب انداز کا مظاہرہ کرتی ہے کہ دیکھنے والے اس کے متعلق سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں ——— اس کے متعلق یوں بھی اسکینڈل مشہور ہیں کہ یہ جہاں بھی کام کرتی ہے وہاں کسی نہ کسی کو دل لبھانے والے انداز سے اپنا اسیر بنا لیتی ہے۔

انہوں نے ہونٹوں کو بھینچ کر ناگواری کا اظہار کیا۔ انہیں اپنے رسالہ کے لئے خواتین کی ضرورت تھی ——— وہ عزت کو اس لئے برداشت کر رہے تھے کہ وہ باصلاحیت تھی۔ وہ اتنی معروف مصنفہ تھی کہ قارئین اس کا نام پڑھ کر رسائل اور ناولیں خریدا کرتے تھے۔

نواز صاحب نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا کہ عزت آرا کے متعلق جو اسکینڈل ہیں ——— وہ درست بھی ہو سکتے ہیں اور غلط بھی ——— لہٰذا جب تک حقیقت سامنے نہیں آتی۔ اس وقت تک انہیں عزت

کی صلاحیتوں سے کام لینا چاہیئے۔ اگر کبھی وہ رسالے کے لئے بدنامی کا باعث بنے گی تو اسے ملازمت سے برطرف کر دیا جائے گا۔

انہوں نے زینہ کی ریلنگ کو تھام کر کہا۔

" میں ماہنامہ "عزت" کے لئے تین قلمکار خواتین کی خدمات حاصل کرنا چاہتا ہوں ـــــ میں آپ سب کا مشکور ہوں کہ آپ نے یہاں انٹرویو کے لئے آنے کی زحمت اٹھائی ہے۔ اب میں آپ کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ انٹرویو ختم ہو چکا ہے۔ اب آپ جا سکتی ہیں جن کا انتخاب ہو چکا ہے۔ ان کے ایڈریس پر اپوائنمنٹ لیٹرس بھیج دیئے جائیں گے۔"

تمام لڑکیاں حیرانی سے انہیں دیکھنے لگیں ـــــ ایک لڑکی نے کہا۔

"انٹرویو ختم ہو چکا ہے ـــــ لیکن انٹرویو شروع کب ہوا تھا ـــــ آپ نے تو کوئی بات کی ہے اور نہ ہی کوئی سوال پوچھا ہے۔"

انہوں نے باری باری ہر لڑکی کی جانب دیکھا ـــــ سب ہی کی نظروں میں یہی ایک سوال تھا کہ انٹرویو بغیر انتخاب کے کیسے ہو گیا؟ ـــــ آخر میں انہوں نے عزت کی جانب دیکھا۔ اس کی

نظروں میں بھی وہی سوال تھا۔ لیکن آنکھ ملتے ہی وہ سوالیہ نظریں جھک گئیں۔

انہوں نے کہا۔

" میں بیمار نہیں ہوں ـــــ محض بیماری کا بہانہ کر کے آپ لوگوں کو اس کوٹھی میں بلایا ہے تاکہ آپ کو یہاں گھر کا سا ماحول ملے۔ جہاں چار عورتیں جمع ہو جاتی ہیں ـــــ جہاں ان کے درمیان چائے کی پیالیاں آ جاتی ہیں اور ایک گھریلو فضا قائم ہو جاتی ہے۔ وہاں کسی انٹرویو کی ضرورت پیش نہیں آتی ـــــ وہ خود ہی بے تکان بولے چلی جاتی ہیں ـــــ انٹرویو کا کوئی سوال ان کے درمیان حائل نہیں ہوتا۔ وہ باتوں کی روانی میں خود ہی اپنی ذہنیت ـــــ اپنی سوچ ـــــ اپنے نظریات اور اپنی ڈھکی چھپی عادتوں کو آئینہ کی طرح چمکا کر سامنے لے آتی ہیں۔

میں نے اس آئینہ میں آپ لوگوں کا چہرہ دیکھا ہے اور انتخاب کیا ہے اور میرا دعویٰ ہے کہ امیدوار خواتین کا انتخاب کرنے کیلئے اس سے اچھا اور کامیاب طریقہ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ ۔ ۔"

عزت کی نظریں بے اختیار زینے کی جانب اٹھ گئیں۔ انہوں

نے عورتوں کے متعلق کیسی ناقابل انکار حقیقت بیان کی تھی ——— واقعی باتوں کے دوران اسے بھی یاد نہیں رہا کہ وہ کب کچھ بول گئی ہے۔

اسے اب اس بات کی فکر نہیں تھی کہ وہ منتخب ہوگی یا نہیں ——— فکر تو اس بات کی ہوگئی کہ نہ جانے وہ اپنے متعلق کیا کہہ گئی ہے ——— لڑکیاں بہت سے نازک جذبوں کو اور بہت سی کھٹی میٹھی عادتوں کو بڑے جتن سے چھپا کر رکھتی ہیں ——— توبہ ہے، یہ مرد بڑے چالاک ہوتے ہیں ——— اللہ قسم بڑے مکار ہوتے ہیں ——— کیسے کیسے حربوں سے کھنگال کر رکھ دیتے ہیں۔

اس نے شکایت آمیز نظروں سے انہیں دیکھا۔

وہ اس کی سطح سے بہت اونچے نظر آئے۔ شاید اس لئے کہ زینے کی اونچائی پر کھڑے ہوئے تھے۔

وہ بڑی پُروقار اور پکارتی ہوئی شخصیت کے مالک تھے۔

شاید وہ اس لئے ذہن پر چھا رہے تھے کہ انہوں نے پہلی ہی ملاقات میں بھرپور تاثر چھوڑا تھا۔ بڑے پتے کی بات کہی تھی۔ وہ سچی اور کھری

بات کسی بھی عورت کو پتھر کی طرح لگتی۔ مگر نہ جانے کیوں اسے پھول کی طرح لگی۔

نواز احمد درانی بڑی بے نیازی سے اوپری منزل کی جانب واپس جا رہے تھے۔

عزت بھی واپس جانے کے لئے اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

عورت اسی کی تمنا کرتی ہے جو آسانی سے حاصل نہیں ہوتا۔ شبنم کو بھی یہی محسوس ہوا کہ وہ اسے دیکھ سکتی ہے مگر چھو نہیں سکتی۔

اس کا نام کچھ اور تھا جب گھاٹ گھاٹ کا پانی پینے کے بعد بھی پیاس نہ بجھی تو اس نے اپنا نام شبنم رکھ لیا۔

شبنم کو ہر دل والا جانتا تھا اور اسے آنکھوں سے دیکھنے کی بجائے ہوس کی نگاہوں سے سمجھنا چاہتا تھا۔ جو عورت شناس ہوتے ہیں۔ وہ قصائیوں کی طرح سب سے پہلے عورت کے جسم کو اپنی نگاہوں سے ٹٹولتے ہیں اور جو زمانہ شناس ہوتے ہیں وہ عورت کے کردار اور اس کی شرم وحیا کو پرکھتے ہیں۔

شبنم کو شرم وحیا سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ عام طور پر ایسی عورت کو عورت نہیں کہا جاتا۔ وہ بازار میں بکنے والی جنس کہلاتی ہے۔ لیکن شبنم

بازار میں بیٹھنے والی عورت نہیں تھی، وہ شریفوں کے محلّے میں رہتی تھی، اور نہایت شریفانہ زندگی گزارتی تھی۔ یعنی جس طرح شریف مرد کبھی غصّہ میں آکر اپنی بیویوں کو مارتے پیٹتے ہیں اور انہیں گھر سے دھکے دے کر میکے جانے پر مجبور کر دیتے ہیں، اسی طرح شبنم بھی نہایت شرافت سے اپنے جس عاشق کو چاہتی، دھکے دے کر نکال دیا کرتی تھی۔

عورت کے ہاتھوں ذلّت اٹھانے سے بہتر ہے کہ آدمی مر جائے مگر عاشق نہیں مرتے ــــ ذلّت کہیں سے ملے، وہ ذلّت ہی ہوتی ہے خواہ مرد کے ہاتھوں سے عورت ذلیل ہو کر گھر سے نکلے یا مرد کسی عورت سے جھڑکیاں کھا کر ذلت اٹھاتا رہے ــــ دونوں صورتوں میں انسانیت کی توہین ہے۔ لیکن اس محلے کے مرد ہمیشہ یکطرفہ فیصلہ کرتے تھے۔

ان کا فیصلہ تھا کہ عورت اگر اپنے خاوند کی جھڑکیاں سنتی ہے اور لات جوتے کھا کر گھر سے نکلتی ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے یہ تو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے ــــ عورت ایسی ہی تقدیر لے کر دنیا میں آتی ہے۔

لیکن شبنم کا فیصلہ تھا کہ عورت اپنی تقدیر آپ بنانا سیکھ لے تو مرد بڑی خوشی سے دھکے کھانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس نے کتنی محنت

اور کتنی ہی ٹھوکریں کھانے کے بعد اپنی تقدیر بنائی تھی۔ دولت اور شہرت کبھی آسانی سے حاصل نہیں ہوتیں ــــ اس کے لئے بڑے بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں ــــ شبنم بھی اپنی زندگی کی انتہائی پستی سے آہستہ آہستہ ابھرتی ہوئی انتہائی بلندی تک آئی تھی۔

آج سے دس سال پہلے جب وہ تیرہ برس کی تھی تو اس کا نام شبراتن تھا ــــ اس کے میلے اور پھٹے پرانے کپڑوں پر شبراتن جیسا پھٹا پرانا نام چھپا تھا ــــ غریب لڑکیوں کے نام اکثر ایسے ہی ہوتے ہیں، نام سنکر کسی گُدگُدی کا احساس نہیں ہوتا اور نہ ہی تصور کی آنکھیں کسی نازک سی لڑکی کا سراپا بناتی ہیں۔

تیرہ برس تک اس پر کسی کی نظر نہیں پڑی محلے والے صرف اس کی ماں کی مظلومیت پر افسوس کرتے تھے۔ کیونکہ اس کا باپ اکثر رات کو شراب پی کر آتا تھا اور اس کی ماں سے لڑتا جھگڑتا رہتا تھا۔ کبھی کبھی اسے مار پیٹ کر گھر سے نکال دیا کرتا تھا۔ وہ شبراتن کو لے کر محلے کے کسی گھر میں پناہ لیتی تھی۔ پھر دوسرے دن اپنے خاوند کے سامنے ہاتھ جوڑ کر اور پاؤں پڑ کر اسے منا لیتی تھی۔

شبراتن نے بچپن ہی سے دیکھا تھا کہ عورت کتنی مجبور ہوتی ہے۔ خاوند کے سوا کوئی دوسرا سہارا نہیں ہوتا۔ اس لئے ہزار بار لات

جوتے کھانے کے بعد بھی اس کے قدموں تلے رہنا پڑتا ہے۔ لیکن خاوند کا ظلم اسی وقت تک برداشت ہوتا ہے جب تک کہ وہ ظالم ہونے کے باوجود اپنی بیوی اور بچوں کا ہو کر رہتا ہے۔

مگر ایک دن شبراتن کا باپ اس کی ماں کے لئے سوکن لے آیا۔

شبراتن کی ماں کو جب تک اس بات کا یقین تھا کہ اس کا خاوند صرف اس کا ہے اور کوئی دوسری عورت اس کے پیار اور مار کی حقدار نہیں ہو سکتی، اس وقت تک وہ اپنے خاوند کی ہر زیادتی برداشت کرتی رہی، لیکن سوکن برداشت نہ ہوئی اور وہ بیٹی کو لے کر گھر سے نکل گئی۔

گھر سے نکلنے کے بعد وہ اکثر بابو لوہار کے ہاں پناہ لیتی تھی۔ بابو لوہار کی بھی ایک بیوی اور بیٹی تھی —— بیٹی بیاہ کر سسرال چلی گئی تھی۔ صرف ایک بیوی تھی جو شبراتن کی ماں سے بہن جیسی محبت کرتی تھی — لیکن محبت جیسی بھی ہو، کسی پر بوجھ بن کر تین وقت روٹیاں کب تک کھائی جا سکتی ہیں، اس لئے وہ محلے کے گھروں میں کپڑے دھونے اور برتن مانجھنے کے کام میں لگ گئی۔

بابو لوہار نے شبراتن کو اپنے ساتھ کام میں لگا لیا۔ کام صرف اتنا تھا کہ وہ آگ میں کوئلے ڈال کر دہکاتی تھی اور بابو لوہار اس آگ میں

لوہے کو تپا کر سرخ کر دیتا تھا۔ یہ کام گھر کے صحن میں ہوتا تھا۔ کبھی لوہے کی سلاخیں تپائی جاتی تھیں، کبھی پانی کی بالٹیوں یا ٹین کے سامان میں جوڑ لگائے جاتے تھے اور کبھی گھوڑوں کی نعلیں بنائی جاتی تھیں۔

پہلے دن وہ آگ دہکانے کے لئے بیٹھی تو بابو لوہار کی آنکھیں روشن ہو گئیں —— دہکتے ہوئے انگاروں کی سرخی شبراتن کے چہرے کو لال گلنار بنا رہی تھی، وہ آگ میں پڑے ہوئے لوہے کی طرح سرخ ہو رہی تھی، اچانک بابو لوہار کے جی میں آیا کہ اسے بھی گرم لوہے کی طرح موڑ کر رکھ دے۔

مگر وہ لوہار تھا اور اچھی طرح جانتا تھا کہ لوہے کو اپنی مرضی کے مطابق موڑنے سے پہلے اسے کس طرح آہستہ آہستہ گرم کیا جاتا ہے۔ شبراتن کی عمر ابھی کچی تھی، اس کے جسم میں انقلاب آ رہا تھا مگر وہ اس انقلاب کا مقصد نہیں سمجھتی تھی

بابو لوہار بڑی دلجمعی سے اسے سمجھانے لگا۔ اس نے جلد بازی سے کام نہیں لیا۔ بہت ہی دھیرے دھیرے بڑے اطمینان سے وہ اسے نظر بھر کے دیکھتا رہا۔ یعنی پہلے اسے نظروں کی آنچ سے گرماتا رہا۔ اس کی ماں اور اپنی بیوی کی نظریں بچا کر اسے معنی خیز نظروں سے دیکھتا رہا۔

عورت فطرتاً شرمیلی ہوتی ہے —— بابو لوہار کی بھو نظریں جب بھی

اس کے کنوارے سینے پر پڑتیں، وہ شرما کر جلدی سے اپنا ڈوپٹہ درست کر لیتی تھی۔

نگاہوں کا یہ عمل کئی دنوں تک جاری رہا، پھر وہ خود اپنے ہاتھوں سے اس کا ڈوپٹہ درست کرنے لگا اور رفتہ رفتہ اس پر ہاتھ پھیر کر اسے احساس دلانے لگا کہ وہ ایک جسم رکھتی ہے، ایک روز موقعہ پا کر اس نے اس کے ہونٹوں کو چوم لیا۔

اس کی اس حرکت پر شبراتن رونے لگی ـــ بابو لوہار گھبرا گیا کہ کہیں وہ اس کی بیوی سے شکایت نہ کر دے، اس نے جلدی سے اپنی جیب سے ایک روپیہ نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا اور اس کی خوشامدیں کرنے لگا۔

وہ ذرا دیر رو کر چپ ہو گئی۔ وہ ایک روپیہ اس کی زندگی کی پہلی کمائی تھی اسے اب تک یاد تھا کہ اس کا پہلا کنوارا بوسہ ایک روپیہ میں فروخت ہوا تھا۔

اس کے بعد رفتہ رفتہ اس میں نمایاں تبدیلیاں ہونے لگیں ـ وہ ایک پھول کی طرح کھلی جا رہی تھی ـــ دبلے پتلے جسم میں گوشت بھرنے لگا ـــ شانوں میں ایسی گولائی اور پھسلن آ گئی کہ ڈوپٹہ رہ رہ کر پھسل جاتا تھا، سینہ ایسا صحت مند تھا جیسے جوانی کے سارے

خزانے اس نے وہیں سمیٹ کر رکھ لئے تھے ـــ جسم کے ایک ایک نشیب و فراز میں کتنی ہی دنیائیں چھپی ہوئی تھیں۔ اس نے ایک ہی برس میں کئی برسوں کا فاصلہ طے کر لیا تھا۔

اس کی ماں اور لوہار کی بیوی یہ انقلاب دیکھ دیکھ کر سہمی جا رہی تھیں، ایک رات انہوں نے شبراتن اور بابو لوہار کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔ لوہار کی بیوی چھاتی پیٹ کر رونے لگی کہ جسے پناہ دی وہی سوکن بن گئی ہے، ماں نے بھی بیٹی کو خوب باتیں سنائیں۔ دو چار ہاتھ بھی جمائے، مگر مارنے سے اسی کے ہاتھ جھنجھنا کر رہ گئے۔ شبراتن کا جسم بھٹی میں پکے ہوئے لوہے کی طرح سخت ہو گیا تھا، اس پر دو چار لات جوتے اثر نہیں کر سکتے تھے۔

آخر دونوں بوڑھی عورتوں نے یہی فیصلہ کیا کہ جلد از جلد اس کا بیاہ کر دیا جائے ـــ جلدی میں کوئی اچھا لڑکا تلاش نہیں کیا جا سکتا تھا۔ رشتے کے لئے ایک دولت مند بوڑھا مل گیا، شبراتن بابو لوہار کے عشق میں گرفتار تھی ـــ اسے یقین تھا کہ وہ یہ شادی نہیں ہونے دے گا اور اسے ہمیشہ اپنی آغوش میں چھپا کر رکھے گا۔ مگر لوہار اپنی بیوی سے اور دنیا بھر کی بدنامیوں سے ڈرتا تھا۔ اس لئے وہ شبراتن کا ساتھ نہ دے سکا اور وہ زندگی میں پہلی بار جھوٹی محبت

کا فریب کھا کر ایک بوڑھے خاوند کے گھر چلی آئی۔

بوڑھا آخر بوڑھا ہی تھا ـــــ شبراتن کی جوانی کے ساتھ نہیں دوڑ سکتا تھا۔ اس لئے اسے دولت کی چمک دمک سے بہلاتا تھا۔ چھ ماہ کے عرصہ میں اس نے شبراتن کے لئے بیس ہزار کے زیورات بنوا دیئے۔ اس کی سوکن دیکھ دیکھ کر جلتی کڑھتی رہتی تھی ـــــ سوکن کا ایک جوان بیٹا تھا جو اپنے باپ کے حکم سے شبراتن کو پڑھایا لکھایا کرتا تھا۔ وہ اردو کی سات جماعتیں پڑھی ہوئی تھی۔ جوان بیٹا برکت علی اسے انگریزی پڑھایا کرتا تھا۔

انگریزی کی پہلی کتاب ختم ہو گئی ـــــ دوسری کتاب بھی ختم ہو گئی ـــــ تیسری کتاب شروع کرنے سے پہلے ہی وہ بیس ہزار کے زیورات اور دو ہزار روپے نقد لے کر برکت علی کے ساتھ فرار ہو گئی۔

برکت علی نے قسمیں کھا کر اسے یقین دلا تھا کہ وہ اس سے سچی محبت کرتا ہے اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہے ـــــ شبراتن بھی عورت تھی۔ وہ اپنی جوانی کو بوڑھے کی دولت سے نہیں بہلا سکتی تھی اس لئے اس کے ساتھ بھاگ کر دوسرے شہر آ گئی۔

پہلی بار وہ بابو لوہار سے محبت کا فریب کھا چکی تھی۔ لہٰذا اب

ذرا محتاط تھی ـــــ اس نے زیورات اور نقد روپے اپنے پاس رکھے تھے اور اس سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اپنے پاس سے ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کرے گی۔

برکت بھی اپنے ساتھ تین ہزار روپے اور اپنی ماں کے زیورات چرا کر لایا تھا ـــــ تین ماہ تک وہ تین ہزار روپے بڑی فراخدلی سے خرچ ہوتے رہے، پھر ماں کے زیورات بیچنے کا وقت آ گیا۔ تمام زیورات تقریباً دس ہزار روپے کے تھے ـــــ شبراتن نے اسے دو ہزار نقد دے کر تمام زیورات کو اپنی تحویل میں لے لیا اور انہیں ایک بنک کے لاکر میں لے جا کر محفوظ کر دیا ـــــ برکت اس کے اشاروں پر ناچتا تھا۔ شبراتن نے بھی اس عرصہ میں نچانے کا فن سیکھ لیا تھا۔ یہ اس کی زندگی میں تیسرا مرد تھا ـــــ تین مردوں نے اسے تین صدیوں کا تجربہ سکھا دیا تھا۔ اب وہ پرانی شبراتن نہیں تھی۔ برکت اسے بڑے پیار سے شبو کہا کرتا تھا۔

پانچ ماہ کے بعد تمام نقد روپے ختم ہو گئے تو شبو نے اسے محنت مزدوری کرنے کے لئے کہا ـــــ برکت نے ہمیشہ عیش و آرام سے زندگی گزاری تھی۔ مزدوری اس کے بس کا روگ نہیں تھی۔ وہ شبو کو ناراض بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے مزدوری کے بہانے شبو کے گھر

سے نکلا اور واپس اپنے شہر آ گیا۔

وہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ بوڑھے باپ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس کی ماں اسے تلاش کرنے کے لئے اخباروں میں خبریں چھپوا رہی تھی۔ بیٹے کو دیکھ کر ماں نے اسے کلیجہ سے لگا لیا اور اس کی پچھلی غلطیاں اس لئے معاف کر دیں کہ اس کی نظروں میں بیٹا نادان تھا۔ ایسی غلطیوں کے موقعہ پر عورت مکار اور مرد معصوم سمجھا جاتا ہے۔

برکت نے اپنے مرحوم باپ کا کاروبار اور جائیداد سنبھال لی۔ اس نے ماں سے یہ نہیں بتایا کہ وہ شبو کو کہاں چھوڑ آیا ہے۔ وہ کاروبار کے بہانے ایک روز شبو کے پاس آیا اور اپنی مجبوریاں ظاہر کرنے لگا۔

"میں مجبور ہوں شبو! ——— نہ لاکھوں روپے کی جائداد چھوڑ سکتا ہوں اور نہ ہی تمہارا خیال دل سے نکال سکتا ہوں۔ لہٰذا میں تم سے چوری چھپے ملا کروں گا اور تمہارے تمام اخراجات پورے کیا کروں گا۔"

شبو نے کہا۔

"تم مجھ سے محبت کا دعوے کرتے ہو اور گناہگاروں کی طرح چھپ کر ملنا چاہتے ہو۔ صاف کیوں نہیں کہتے کہ داشتہ بنا کر رکھنا چاہتے ہو ———؟"

برکت نے تسلیم کر لیا کہ وہ داشتہ بنا کر رکھنا چاہتا ہے ———

شبو نے بھی انکار نہیں کیا۔ اس نے اپنے مستقبل کی ضمانت کے لئے چند شرائط پیش کر دیں ——— ایک کوٹھی ——— ایک کار کے علاوہ ماہانہ تین ہزار روپے کا مطالبہ کیا ——— ایک ساتھ تمام شرائط کو پورا کرنا ممکن نہیں تھا۔ برکت آہستہ آہستہ اس کے مطالبات پورے کرنے لگا۔

ایک سال کے عرصہ میں شبو نے بہت کچھ حاصل کر لیا۔ سوسائٹی کے علاقہ میں ایک کوٹھی اس کے نام ہو گئی ——— گھومنے کیلئے ایک مرسڈیز کار مل گئی۔ تیس ہزار کے زیورات پہلے ہی لاکر میں پڑے ہوئے تھے۔ اب پچاس ہزار کے زیورات ہو گئے۔ ——— ہر ماہ جو تین ہزار روپے ملا کرتے تھے، ان میں سے اس نے پچیس ہزار کی بچت کی تھی۔ اب اس کے ہاں ایک گورنس آیا کرتی تھی جو اسے انگریزی سکھانے کے علاوہ اونچی سوسائٹی میں اٹھنے بیٹھنے کے آداب بھی سکھایا کرتی تھی۔

ایک سال کے بعد برکت کی شادی کسی رئیس خاندان کی لڑکی سے ہو گئی اور وہ شبو کی کوٹھی کا راستہ بھولنے لگا ——— یہ فریب کھانے کے لئے وہ پہلے سے تیار تھی اسی لئے اس نے برکت کو دل و جان کا مالک نہیں بنایا تھا۔ اس دوران اس کے بھی چاہنے والے آنے

پیدا ہو گئے تھے کہ اسے برکت کے لئے آنسو بہانے کی فرصت نہیں ملی ——

اس نے سوسائٹی کی کوٹھی کو کرائے پر اٹھا دیا۔ ہر ماہ اس کوٹھی سے ایک ہزار روپے کی آمدنی ہونے لگی —— اسے زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے کا شوق تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ اس دنیا میں نہ مرد زور آور ہوتا ہے اور نہ ہی عورت طاقتور ہوتی ہے۔ جس کے پاس دولت ہوتی ہے اسی کا "سکہ" چلتا ہے۔ سب اس کے پیچھے دلواز ہو جاتے ہیں۔

وہ ڈرگ کالونی میں ایک کرائے کا مکان لے کر رہنے لگی۔ شروع شروع میں وہاں کے لوگ اس کی آمد پر دبی زبان سے اعتراض کرنے لگے۔ کیونکہ اس کے مکان پر ہر رات ایک نہ ایک کار والا آتا تھا۔ وہ کار میں بیٹھ کر جاتی تھی اور صبح واپس آجاتی تھی۔ یہ بات واقعی قابل اعتراض تھی مگر لوگ زیادہ عرصہ تک اعتراض نہ کر سکے۔ کیونکہ شبو جو اب اونچی سوسائٹی میں جا کر شبنم بن گئی تھی اس کے طفیل سے محلے میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوتی جا رہی تھیں۔

سب سے پہلے تو یہ ہوا کہ میونسپلٹی کے مہتر روزانہ محلے کی گندی گلیوں کو بلاناغہ صاف کرنے لگے —— تحقیق کرنے پر پتہ چلا، کہ

شبنم کی پہنچ بہت دور تک ہے —— اوپر سے احکامات آئے ہیں کہ محلے میں کہیں گندگی نظر نہ آئے۔ بجلی کے کھمبوں میں جہاں جہاں بلب فیوز ہو گئے تھے۔ اب وہاں نئے بلب روشن ہو گئے تھے —— محلے کے مکان کے سامنے اوباش قسم کے نوجوان بیٹھ کر تاش کھیلتے اور ننگی گالیاں بکتے رہتے تھے —— ایک روز شبنم وہاں سے گزری تو وہ اس پر بھی آوازے کسنے لگے اس کے آدھے گھنٹے کے بعد اچانک پولیس کی ایک جماعت نے چھاپہ مارا اور انہیں جوا کھیلنے کے جرم میں گرفتار کر کے لے گئے۔

گرفتار ہونے والوں کے والدین اور سرپرست انہیں ضمانت پر رہا کرانے کے لئے دوڑ دھوپ میں لگے رہے۔ مگر کسی کی ضمانت منظور نہیں کی گئی۔ دو گھنٹے کے بعد شبنم تھانے میں آئی۔ اس نے فون اٹھا کر کسی آفیسر سے رابطہ قائم کیا —— تھوڑی دیر تک اس سے ہنس ہنس کر باتیں کرتی رہی۔ باتوں کے دوران گرفتار ہونے والوں کا بھی تذکرہ کیا۔ اور انہیں چھوڑ دینے کی درخواست کی۔ اس فون کے جواب میں تھانیدار کو ایک فون موصول ہوا جس کے بعد وہ گرفتار ہونے والے رہا کر دیئے گئے۔

یہ ایسا واقعہ تھا کہ تمام محلے والوں پر شبنم کی دھاک بیٹھ گئی ——

اس کے متعلق لوگوں کے خیالات بدل گئے۔ اب وہ کوئی گناہگار عورت نہیں تھی۔ بلکہ نہایت ہی شریف عورت تھی اور کاروں میں بیٹھ کر جو لوگ اس سے ملنے آتے وہ بھی شریف لوگ تھے۔

اس کے متعلق لوگوں کے خیالات اس لئے بدل گئے تھے کہ انہوں نے اس کے اثر و رسوخ کا اندازہ کر لیا تھا اور اب وہ اسے بدکار عورت کہہ کر اور اس کی برائیاں کر کے اس سے دشمنی مول لینا نہیں چاہتے تھے۔ جب کسی کی طاقت کے آگے بس نہیں چلتا ہے تو اس سے سمجھوتہ کرنا ہی پڑتا ہے۔

وہ کتنی ہی محنت سے اور کتنی ٹھوکریں کھانے کے بعد اس قابل ہوئی تھی کہ لوگ اس کے عیبوں کو جاننے کے باوجود اس کی طرف انگلی اٹھانے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ سب ہی اس سے مسکرا کر ملتے تھے۔ اور بڑے ہی مہذب انداز میں گفتگو کرتے تھے۔

البتہ ایک نوجوان تھا جو اس کے قریب کبھی نہیں آتا تھا۔ دور ہی دور سے کترا کر نکل جاتا تھا اور بھی لوگ ہوں گے جو اس سے کتراتے ہوں گے۔ لیکن شبنم کی نظریں خاص طور سے اس نوجوان کو ڈھونڈتی تھیں۔ آج تک اس نے کسی کو پسند نہیں کیا تھا۔ سب اسے پسند کرتے تھے اور اس کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ عورت اس کی تمنا کرتی ہے جو آسانی سے حاصل

نہیں ہوتا۔ شبنم کو بھی یہی محسوس ہوا کہ وہ اسے دیکھ سکتی ہے مگر چھو نہیں سکتی۔

اس نے پہلے دولت کی ہوس کی۔ اسے دولت مل گئی، کوٹھی مل گئی کار مل گئی۔ اس نے اپنی کوششوں سے بہت دور دور تک اثر و رسوخ بھی پیدا کر لیا۔ اب اس کی دلی تمنا تھی کہ وہ نوجوان حاصل ہو جائے۔

وہ بہت تھک گئی تھی۔ اب اسے چاہنے والوں کی تمنا نہیں تھی۔ وہ ایسے ساتھی کی تلاش میں تھی جو اسے چاہے یا نہ چاہے لیکن وہ اسے چاہتی رہے۔ اور اس پر ہزار جان سے قربان ہوتی رہے۔

عورت خواہ کتنی ہی بدکار ہو۔ عاشقوں کے ہجوم میں کسی ایک مرد کو اتنی شدت سے اور اتنی نیک نیتی سے چاہتی ہے کہ تمام عمر اس کی عبادت کرتی رہ جاتی ہے۔

وہ نوجوان اس کی عبادت بن گیا تھا۔

اس نوجوان کا نام فرہاد انور تھا۔

میری بچی کتنی بدنصیب ہے۔ ہمارے
لئے جی رہی ہے اور اپنے لئے مرتی جا رہی ہے
شادی کی بات کرو تو ایسے ٹال دیتی ہے۔
جیسے دل کی تمام آرزوئیں مر چکی ہوں۔

کچھ لوگوں کے نام ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی تقدیر بھی اس نام کے مطابق عمل کرنے لگتی ہے —— فقیر محمد جیسا نام رکھنے والے ہمیشہ فقیری حالت میں زندگی گزارتے نظر آتے ہیں جن کا نام رئیس احمد ہوتا ہے، وہ اکثر کاروں اور کوٹھیوں میں نظر آتے ہیں۔

فرہاد انور کی تقدیر میں بھی عمل کا تیشہ اور زندگی کے پتھر بکھرے ہوئے تھے —— کوئی ضروری ہے کہ پہاڑ کاٹ کر دودھ کی نہر بہانے سے پہلے کسی شیریں سے محبت کی جائے —— بھوک —— بے روزگاری اور محتاجی جب حد سے بڑھ جاتی ہے تو اس وقت عشق نہیں سجھائی دیتا —— ایسے وقت عمل اور جدوجہد کی ضرورت

ہوتی ہے۔

فرہاد انور برسوں سے جدوجہد کر رہا تھا۔ بی اے پاس کرنے کے بعد کتنے ہی دفتروں ——— کارخانوں اور ملوں میں اس نے ملازمت کی کوششیں کیں۔ کہیں دو چار مہینے کی عارضی ملازمت ملی اور ختم ہو گئی کہیں مستقل ملازمت ملی تو مل ایریا گھر سے پچیس تیس میل کی دوری پر تھا۔ آنے جانے اور دوپہر کے کھانے کے اخراجات کا حساب کیا تو آدھی سے زیادہ تنخواہ اس کی ذات پر صرف ہو جاتی تھی۔

پھر ایسی بھی ملازمت ملی، جہاں مڈل پاس لوگ آفیسر تھے اور وہ گریجویٹ ہو کر ان کا ماتحت تھا۔ وہ ایسی توہین برداشت نہ کر سکا اس نے بی اے کی سند کو صندوق کی تہہ میں چھپا کر رکھ دیا اور آوارہ گردی کرنے لگا۔

اس نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ اب بی اے کی سند سے نہیں صرف تقدیر سے ہی ملازمت مل سکتی ہے۔ فضول دوڑ دھوپ کرنے کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلے گا۔ جب تقدیر مہربان ہو گی تو ملازمت کر لی جائے گی۔

وہ حسب معمول تمام دن مارا مارا پھرتا رہا ——— شام کو گھر آیا تو اس کی والدہ رات کا کھانا تیار کر رہی تھیں اور اس کی بہن

عزت آرا لکھنے کی میز پر جھکی ہوئی کسی گہری سوچ میں گم تھی۔

وہ دروازے پر رک کر عزت کو گہری نظروں سے دیکھنے لگا۔

اسے خبر نہیں تھی کہ بھائی کمرے میں آگیا ہے۔ وہ کہیں دور کھوئی ہوئی تھی اور خیال ہی خیال میں مسکرا رہی تھی۔

فرہاد خاموشی سے پلٹ کر اپنی والدہ کے پاس کچن میں آگیا۔ اور ان کے قریب بیٹھ کر بولا۔

"یہ کہانیاں لکھنے والی لڑکیاں پاگل ہوتی ہیں، ہر وقت کہانیوں کے متعلق سوچتی ہیں۔ کہانی کا کوئی کردار مسکراتا ہے تو وہ بھی بے اختیار مسکرانے لگتی ہیں اور اگر کوئی کردار روتا ہے تو وہ بھی رونے کی صورت بنا لیتی ہیں۔"

اس کی والدہ نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر عزت کے کمرے کی جانب دیکھا۔

پھر سر جھکا کر بولی،

"میں بھی پہلے یہی سمجھتی تھی کہ وہ اپنی کہانی میں ڈوب کر کبھی مسکراتی ہے اور کبھی اداس ہو جاتی ہے۔

لیکن ایک رات میں نے نیند کی حالت میں اسے روتے دیکھا ہے۔

تم ہی بتاؤ بیٹے! ——— کیا نیند میں بھی وہ کوئی دردناک کہانی سوچ

رہی تھی ——— ؛نہیں، میں نے بھی دنیا دیکھی ہے۔ اس عمر میں لڑکیاں خود ایک کہانی بن جاتی ہیں۔

اب وہ ستائیس برس کی ہوگئی ہے۔ اگر اس کی شادی ہو جاتی تو اب تک دو چار بچوں کی ماں بن جاتی ——— لیکن شادی کیسے ہوگی جب سے ملازمت کے لئے نکلی ہے تب ہی سے بدنامی پیچھا کر رہی ہے۔ اللہ نے چاہا تو بدنام کرنے والوں کی زبان پر چھالے پڑیں گے۔ میری نیک سیرت بچی پر تہمتیں لگاتے ہیں۔"

فرہاد نے کہا۔

"امی ——— ! میری بہن اتنی اچھی ہے کہ میں اس کے آنچل پر نماز پڑھ سکتا ہوں۔ لیکن دنیا والے ظاہری ثبوت دیکھ کر بدنام کرتے ہیں۔ میں نے عزت کو کتنی بار سمجھایا ہے کہ جس ادارے میں کام کرتی ہے اس ادارے کے مالکوں کی کاروں میں بیٹھ کر گھر نہ آیا کرے۔ لوگ طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں۔"

اس کی ماں نے ناراضگی سے کہا۔

"وہ کیا اپنی مرضی سے بیٹھ کر آتی ہے ——— ؛ ایک جگہ کام کرنے سے آپس میں خلوص اور اعتماد کا رشتہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی اعتماد اور ہمدردی سے اپنی کار میں یہاں تک لانا چاہتا ہے تو کیسے انکار کیا جا

سکتا ہے ؛"

"میں مانتا ہوں کہ اخلاقاً انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مگر ہم محلے والوں کی زبانیں کس طرح بند کریں ——— آج چھ ماہ سے اس محلے میں وہ شبنم نام کی ایک عورت آئی ہوئی ہے۔ اسے بھی بڑی بڑی کاروالے اس کے دروازے پر چھوڑنے آتے ہیں، جو شرمناک باتیں اس کے متعلق کہی جاتی ہیں، وہی باتیں عزت کے متعلق بھی دہرائی جاتی ہیں۔ کوئی میرے سامنے ایسی باتیں نہیں کہتا۔ ورنہ میں اس کا خون پی جاتا..."

"تم مارنے والے کا ہاتھ پکڑ سکتے ہو۔ مگر کہنے والوں کی زبان نہیں پکڑ سکتے ——— لوگوں کی زبانیں بند کرنے کا یہی ایک راستہ ہے، کہ عزت اب کہیں ملازمت نہ کرے ——— تمہیں تو اب ملازمت ملنے سے رہی۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہو۔ میں حیران ہوں کہ عزت کو ہر جگہ ملازمت مل جاتی ہے۔ مگر تمہیں نہیں ملتی۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے ——— ؛ عزت نے بھی بی اے کیا ہے اور تم بھی بی اے پاس ہو . . . . . ؟"

"امی ——— ! ہم دونوں میں یہ فرق ہے کہ عزت کے پاس تعلیم کے علاوہ لکھنے کا فن ہے، وہ سترہ سال کی عمر سے لکھ رہی ہے۔ دس برس کے عرصہ میں اس نے اتنا نام پیدا کیا ہے کہ جہاں جاتی ہے، وہاں اسے

ملازمت ملجاتی ہے ——— میرے پاس صرف تعلیم ہے، اس دور میں جس کے پاس ہنر یا فن نہیں ہوتا، اسے کوئی نہیں پوچھتا ——— میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں ——— کئی بار عزت سے کہا کہ وہ ملازمت نہ کرے، خواہ مخواہ کی بدنامی اٹھانے سے بہتر ہے کہ ہم بھوکوں مر جائیں۔ مگر وہ نہیں مانتی ——— کسی کی نہیں سنتی ——— اپنی ہی من مانی کرتی ہے۔"

اس کی والدہ نے بڑے دکھ سے کہا۔

"ہاں ——— وہ ضدی ہے کسی کی نہیں سنتی۔ ساری زندگی ملازمت کرتی رہے گی، ہمارا پیٹ بھرتی رہے گی۔ مگر سہاگن نہیں بن سکے گی۔ شادی کی بات کرو تو ایسے ٹال دیتی ہے جیسے دل کی تمام آرزوئیں مر چکی ہوں ——— لیکن میں جانتی ہوں کہ وہ اندر سے مردہ نہیں ہے۔ میں اس کے دل کا درد سمجھتی ہوں، کیونکہ میں نے اسے نیند کی حالت میں روتے دیکھا ہے۔۔۔۔"

یہ کہتے کہتے ہوئے ان کی بوڑھی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"میری بچی کتنی بدنصیب ہے۔ ہمارے لئے جی رہی ہے اور اپنے لئے مرتی جا رہی ہے۔

جب وہ بچپن میں گڑیا کا بیاہ رچاتی تو میں اسے چھیڑنے کے لئے

کہتی کہ ایک دن تیری بھی شادی کروں گی ——— جب تو بڑی ہو جائے گی تو ایک بہت بڑے ملک کا بہت ہی خوب صورت شہزادہ تجھے بیاہ کر لے جائے گا، وہ ایک بہت بڑے محل میں جائے گی اور دولت کے انبار میں بیٹھ کر حکومت کرے گی۔

کیا بچپن کی باتیں اسے یاد نہیں آتی ہوں گی —؟

کیا وہ ایک اونچے گھرانے میں دلہن بن کر جانے کے خواب نہیں دیکھتی ہو گی؟

ضرور دیکھتی ہو گی ——— خواب دیکھتی ہے اسی لئے تو چھپ چھپ کر روتی ہے ——— آہ! میں اس کی ماں ہوں، مگر ماں کا آنچل بھی اس کے آنسو نہیں پونچھ سکتا۔۔۔۔"

فرہاد کا دل کٹنے لگا۔

اس کا ضمیر اسے ملامت کرنے لگا۔

وہ جوان بھائی تھا، مگر اس دنیا کے بازار سے اپنی چھوٹی بہن کیلئے خوشیاں نہیں خرید سکتا تھا۔

میں کیا کروں —؟

وہ جھنجلا کر سوچنے لگا۔

کس کے دروازے پر جاؤں؟ ——— کس کے قدموں پر اپنے

سند اور اپنا سر رکھ کر کہوں کہ مجھے ملازمت دو۔

چاہو تو ملازمت کے نام پر میرا خون نچوڑ لو۔ مگر اتنے پیسے دو، کہ میری بہن کی آنکھوں سے آنسو خشک ہو جائیں ـــــ لیکن کوئی کسی کی غربت اور عزت کا احساس نہیں کرتا ـــــ اس دنیا کا ہر شخص اپنے آپ میں مست رہتا ہے۔ دوسروں کے دکھ درد کو سمجھنے کا دستور ختم ہو چکا ہے۔

عجیب ہے یہ دنیا ـــــ دوسروں کے غم میں شریک نہیں ہوتی، مگر دوسروں کی خوشی سے جلتی ہے۔ بھائی بے روزگار ہو تو کوئی نہیں پوچھتا، بہن ملازمت کرے تو سب کے سب بدنام کرنے کیلئے پیچھے پڑ جاتے ہیں،

دراصل آوارہ اور بدچلن عورتوں نے باہر نکلنے والی شریف عورتوں کو بدنام کر دیا ہے۔ وہ شبنم جب سے یہاں آئی ہے، لوگوں کی نگاہیں پھر عزت کی جانب اٹھنے لگی ہیں۔ کھوٹے اور کھرے کی کوئی تمیز ہی نہیں کرتا ـ اس نے جھنجلا کر کہا۔

" امی ـــــ وہ شبنم نہایت ہی ذلیل اور آوارہ قسم کی عورت ہے اس کی وجہ سے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

اس کی والدہ نے بات کاٹ دی۔

" فضول باتیں نہ کرو ـــــ تمہیں شرم نہیں آتی کسی عورت پر الزام لگاتے ہوئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟"

" لیکن امی! یہ جھوٹا الزام نہیں ہے۔ سب ہی اس کے متعلق یہی کہتے ہیں۔"

" عزت کے متعلق بھی سب یہی کہتے ہیں۔ کسی کے کہنے سے کوئی اچھا یا برا نہیں ہو جاتا۔ انسان کی اچھائی برائی اس کے ساتھ جاتی ہے۔ تم کون ہوتے ہو اس عورت کو بدنام کرنے والے ـــــ ؟ کیا اپنی بہن کی جھوٹی بدنامی سے تم سبق حاصل نہیں کر سکتے ؟"

فرہاد کا سر جھک گیا۔

جب اپنے پر بات آتی ہے تو دوسروں کا بھی احساس ہوتا ہے ـ اس کی والدہ ٹھیک ہی کہتی تھیں۔ کون عورت اپنے کن حالات سے گزرتی ہے یہ سب نہیں جانتے اور اس کے متعلق کچھ نہ جان کر اپنی طرف سے غلط رائے قائم کرنا دانشمندی نہیں ہے۔

شبنم اچھی ہو تو اپنے لئے ـــــ بُری ہو تو اپنے لئے ـــــ اس سے غرض ہی کیا! ـــــ فرہاد نے اس کے خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔

اسی وقت عزت نے اپنے کمرے سے آواز دی۔

"امی ـــــــ! یہاں آیئے ـــــــ آمنہ بُوا آپ سے ملنے آئی ہیں۔"

اس کی والدہ بیٹی کی ایک آواز پر کچن سے نکل کر اس کے کمرے میں آگئیں ـــــــ فرہاد بھی عزت سے باتیں کرنے کے لئے چلا آیا۔

آمنہ بُوا ایک بوڑھی عورت تھی اور محلے کے گھروں میں اوپر سے کام کر کے اپنا پیٹ پالتی تھی۔ عزت کی والدہ نے پوچھا۔

"کیسی ہو آمنہ؟ ـــــــ آج کل دکھائی نہیں دیتیں۔ کہاں رہتی ہو؟"

"اسی محلے میں ہوں ـــــــ شبنم بی بی کے ہاں کام کر رہی ہوں۔"

شبنم کا نام سن کر فرہاد بے اختیار آمنہ کو دیکھنے لگا۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"کیا بتاؤں بہن! ـــــــ وہ مالکن لاکھوں میں ایک ہے۔ اتنی رحم دل ہے کہ کسی کو پریشان حال نہیں دیکھ سکتی۔ آج باتوں ہی باتوں ذکر نکل آیا۔ میں نے اسے بتایا کہ فرہاد میرے ہی بیٹوں جیسا ہے۔ بے چارہ ملازمت کی تلاش کرتا ہے مگر کہیں نوکری نہیں ملتی۔ شبنم بی بی نے جھٹ سے کہا، یہ کون سی بڑی بات ہے۔ کل ہی ملازمت

مل سکتی ہے۔"

"اچھا ـــــــ!" عزت کی والدہ نے خوش ہو کر کہا ـــــــ "اللہ اسے نیکی دے میں پہلے ہی کہتی تھی کہ وہ اچھی عورت ہے۔"

فرہاد نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"مگر امی ـــــــ! میں ملازمت کی خاطر اس عورت کے سامنے نہیں جانا چاہتا۔ ۔ ۔ ۔"

عزت نے حیرانی سے پوچھا۔

"بھائی جان! یہ کیا بات ہوئی؟ آپ شبنم کے سامنے کیوں نہیں جانا چاہتے ـــ؟"

آمنہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اے بیٹی! ـــــــ فرہاد سے کیا پوچھتی ہو۔ مجھ سے پوچھو۔ شبنم بی بی بہت سمجھدار ہے۔ اس نے پہلے ہی کہہ دیا کہ میں بدنام عورت ہوں شریف لوگ مجھ سے ملنا پسند نہیں کرتے۔ میں پتہ لکھ کر دیتی ہوں اس پتہ پر فرہاد کو بھیج دینا۔ ملازمت ضرور ملے گی ـــــــ یہ دیکھو اس نے پتہ لکھ کر دیا ہے۔"

آمنہ نے اپنے آنچل کی گرہ کھول کر ایک کاغذ کا پرزہ نکالا اور عزت کو دیتے ہوئے کہا۔

"شبنم بی بی نے کہا ہے کہ کل شام کو سات بجے اس کوٹھی میں چلے جائیں۔ وہ آفیسر کو فون پر کہہ دیں گی۔"

اس کی والدہ نے کہا۔

"واقعی بہت اثر ورسوخ والی ہے آخر یہ ہے کون ؟ کہاں سے آئی ہے ؟"

آمنہ نے جواب دیا۔

"بے چاری بیوہ ہے ——— ماں باپ فوت ہو چکے ہیں ——— اس کے خاوند نے اپنے پیچھے اچھی خاصی دولت اور جائداد چھوڑی ہے اس کی زندگی میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ مگر یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ بھری جوانی میں بیوہ ہوگئی ہے۔"

عزت اور اس کی والدہ افسوس ظاہر کرنے لگیں ——— اگر ان کے بس میں ہوتا تو وہ شبنم سے میل ملاپ رکھنے اور اس کے کسی کام آنے کی کوشش کرتیں ——— تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے شبنم نے فرہاد کی بے روزگاری کا بہت پرانا مسئلہ حل کیا تھا اب ان کا بھی فرض تھا کہ وہ اس سے ہمدردی کرتیں اور اس کی بیوگی اور تنہائی کے احساس کو مٹانے کی کوشش کرتیں ——— لیکن وہ ایسا نہیں کرسکتیں تھیں۔

وہ بھی بدنام تھی یہ بھی بدنام تھے۔

یہ اگر اس سے میل ملاپ بڑھاتے تو محلے والے یہی کہتے کہ جیسے لوگ تھے ویسی ہی صحبت اختیار کی ہے۔

ان کے دل میں شبنم کے لئے خلوص پیدا ہو گیا تھا۔ مگر وہ دنیا والوں کے ڈر سے خلوص وہمدردی کا اظہار نہیں کر سکتے تھے۔

"لیجئے بھائی جان ——— ! ہمیں شبنم کے اس جذبہ کی قدر کرنی چاہیئے ——— آپ کل شام کو ضرور اس پتہ پر جایئے۔ اگر کوئی ایسا موقعہ آیا تو ہم بھی اس کے کام آئیں گے ——— آمنہ بُوا تم ہماری طرف سے شکریہ ادا کر دینا اور اپنی بی بی جی سے کہنا کہ ہمارے اور اس کے درمیان کوئی نفرت نہیں ہے صرف دنیا والوں کا خوف ہے . . ."

فرہاد گہری سنجیدگی سے اپنی بہن کو دیکھنے لگا۔

عزت اس سے نفرت کا اظہار نہیں کر رہی تھی۔ شاید اس لئے کہ شبنم کی ہمدردی سے متاثر ہوگئی تھی۔ لیکن فرہاد کشمکش میں مبتلا ہو گیا تھا کہ وہ عورت قابل نفرت ہے یا نہیں — ؟

محلے والے اس کے متعلق بڑی شرمناک باتیں کرتے تھے جنہیں سنکر نفرت ہو جاتی تھی ——— لیکن آمنہ بُوا نے بتایا تھا کہ وہ ایک

رحم دل بیوہ ہے ـــــ اس لحاظ سے اس سے ہمدردی ہو جاتی تھی ۔ ـــــ رہ گئی یہ بات کہ اس کے ہاں بڑے بڑے لوگوں کی کاریں کیوں آتی ہیں ـــــ تو اس کی بھی کوئی معقول وجہ ہو گی ـــــ عزت بھی کئی بار کاروں میں آچکی ہے ـــــ لوگ اس کی پاکیزگی پر بھی کیچڑ اچھالتے رہتے ہیں ـــــ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ وہ سب نادانستگی میں شبنم کو بھی بدنام کر رہے ہوں ۔

بہر حال حقیقت ہمیشہ چھپی نہیں رہتی ـــــ فرہاد نے سوچا ـــــ اگر وہ سچ مچ گناہگار ثابت ہوئی تو میں اس کا احسان اٹھانے سے انکار کر دوں گا ۔

وہ سر جھکا کر اپنے کمرے کی طرف جانے لگا ـــــ اس وقت اس کی سوچ میں شبنم ہی شبنم تھی ـــــ اس عورت سے کترانے کے باوجود وہ بے خیالی میں اسی کے متعلق سوچے جا رہا تھا ۔

بہت سی عورتوں کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ وہ جب چاہتی ہیں ۔ دوسروں کو اپنے متعلق سوچنے پر مجبور کر دیتی ہیں ۔

فرہاد کی مٹھی میں کاغذ کا پرزہ تھا ۔

نہیں، کاغذ کا پرزہ نہیں، اس کی ملازمت کا یقین اور شاندار مستقبل کا ضمانت نامہ تھا ۔

یہ بھی نہیں ـــــ وہ کاغذ کا پرزہ ایک بجلی کا سوئچ تھا ۔ یہ سوئچ اس کی مٹھی میں آتے ہی سوچ کے اندھیرے میں شبنم کا سراپا روشن ہوتا چلا گیا تھا ۔

ایک پھول کا نام بھی نرگس ہوتا ہے۔
اور ایک لڑکی کا نام بھی نرگس ہوتا ہے ۔ یہ اور بات ہے کہ نرگسی پھول کھلنے کا ذکر ہو تو ذہن میں آپ ہی آپ کسی اور نرگس کا چہرہ کھل جاتا ہے۔

عزت آرا ماہنامہ "عزت" کی مدیرہ کی حیثیت سے منتخب ہو گئی۔

ناصرہ پروین اور فرزانہ فہیم کا بھی انتخاب ہو گیا تھا۔ اپوائنٹمنٹ ہوتے ہی تینوں نے مل بانٹ کر پرچہ کی ذمہ داریاں سنبھال لیں ـــــ معلوماتی مضامین ـــــ دلچسپ افسانے ـــــ سچی کہانیاں ـــــ معروف خواتین کے انٹرویو ـــــ خطوط کے جوابات ـــــ کچن کے لذیذ پکوان اور حسن وصحت کو برقرار رکھنے کے نسخے ـــــ زندگی کے کتنے ہی رنگ تھے جنہیں "عزت" کے ایک آنچل میں باندھنا تھا۔

وہ تینوں تندہی سے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئیں۔

جن مضامین اور افسانوں کو وہ اشاعت کے لئے منتخب کرتی تھیں۔
نواز صاحب ان پر تنقیدی نظر ضرور ڈالتے تھے۔ اگر کسی پر اعتراض ہوتا تو اس کے لئے بحث شروع کر دیتے تھے کہ ——— ایسا کیوں ہے —؟
ویسا کیوں نہیں ہو سکتا؟

یہ مرد کیا جانیں کہ خواتین کے رسالے میں ایسا کیوں ہوتا ہے اور ویسا کیوں نہیں ہو سکتا؟

نواز صاحب نے ایک کہانی پر اعتراض کرتے ہوئے بحث کی۔

"اس کہانی میں ایک جوان لڑکی ماجدہ ہے، جو جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھنے کی عادی ہے۔ ایک جوان اور دولت مند لڑکا سراج اس کا آئیڈیل ہے۔ وہ خیال ہی خیال میں اس سے محبت کرتی ہے۔ اس کے ساتھ کاروں میں گھومتی ہے ——— تفریح گاہوں میں جاتی ہے اور اس کی شاندار کوٹھی میں پیار و محبت کے حسین لمحات گزارتی ہے لیکن جب سراج کسی دوسری لڑکی سے شادی کر لیتا ہے تو ماجدہ کی آنکھوں سے خواب چھن جاتے ہیں اور صرف آنسو رہ جاتے ہیں۔
مصنفہ نے ماجدہ کو مظلوم ثابت کرنے کے لئے اپنے قلم کا سارا زور صرف کر دیا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ ماجدہ سے ہمدردی نہیں ہوتی کیونکہ وہ خود غرض تھی ——— دیکھا جائے تو اسے سراج سے محبت نہیں

تھی، اس کی دولت سے محبت تھی ——— اس کی کار اور کوٹھی سے محبت تھی ——— عورت محبت کی بازی ہار جائے تو اس سے ہمدردی ہوتی ہے، دولت کی بازی ہار جائے تو وہ محض کاروباری نقصان ہوتا ہے ——— بھئی مجھے تو ماجدہ کے آنسوؤں نے متاثر نہیں کیا. . . ."

عزت یونہی نواز صاحب کو دیکھتی رہ گئی ——— دولت مند نوجوان ——— کار ——— کوٹھی ——— آرام و آسائش کی زندگی ——— ایک دلچسپ خواب ——— مگر بہت پرانا خواب جو ہمیشہ سے عورت کی آنکھوں میں جلتا رہا ہے ——— ویسے کہانی کا سنٹرل آئیڈیا کچھ اور تھا ——— لیکن نواز صاحب کے نقطہ نظر سے کچھ اور بن گیا تھا۔

ناصرہ پروین نے کہانی کی ماجدہ سے ہمدردی کی۔

" نواز صاحب میں آپ کے خیال سے متفق نہیں ہوں۔ مجھے تو ماجدہ نے متاثر کیا ہے۔"

انہوں نے جواب دیا

" یہ عورتوں کی کمزوری ہے کہ وہ آنسو دیکھ کر متاثر ہو جاتی ہیں ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ کتنے خود غرض اور لالچی جذبے انہیں رُلاتے ہیں۔"

عزت نے شکایت آمیز نظروں سے انہیں دیکھا۔

وہ عورتوں کے متعلق کتنی غلط رائے قائم کر رہے تھے۔ اس سے نہ رہا گیا، اس نے کہا،

" لالچ اور ایک اچھے مستقبل کی آرزو کرنے میں بڑا فرق ہے۔ اپنے مستقبل کی تعمیر کے لئے ایک اچھی، ٹھنڈی، پُر مسرت اور پُر سکون سایہ دار جگہ کی آرزو کرنا لالچ نہیں ہے ۔ زندگی کی منصوبہ بندی مرد بھی کرتے ہیں اور عورت بھی کرتی ہے۔"

نواز صاحب نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔

نگاہوں کے تصادم سے عزت کچھ گڑبڑا سی گئی اور جلدی سے بولی،

" ماجدہ کی کہانی سچی ہے۔ عورت ہمیشہ وہیں جاتی ہے جہاں اسے خواب لے جاتے ہیں . . . . "

نواز صاحب نے پتھر جیسے لہجے میں کہا،

" اپنی حیثیت سے اونچے خواب دیکھنا حماقت ہے۔ ایسی احمق عورتوں کے متعلق بدنامی کے راستے بڑی جلدی کھل جاتے ہیں۔"

پتھر سیدھا دل پر آ کر لگا ____ وہ گُنگ ہو کر رہ گئی ____

ناصرہ نے کہا۔

" خواب ہمیشہ ہماری حیثیت سے اُونچے ہوتے ہیں۔ اسی لئے چار سو روپے تنخواہ پانے والا، ہزار روپے کی ملازمت تلاش کرتا ہے۔ وہ اس قابل ہے۔ اس لئے تلاش کرتا ہے ____ اسی طرح ایک خوبصورت اور تعلیم یافتہ لڑکی جانتی ہے کہ وہ ایک اونچے گھر کی ذمہ داریوں کو سنبھال سکتی ہے۔ اس ماحول کے تقاضوں کو پورا کر سکتی ہے۔ اس لئے وہ جھونپڑی میں رہنے کے باوجود محلوں کے خواب دیکھتی ہے۔"

عزت آرا نے ذرا تلخی سے کہا۔

" ناصرہ صاحبہ! لڑکیاں ایسے خواب کیوں دیکھتی ہیں یہ بھی نواز صاحب کو سمجھا دیجئے۔ خواتین کے رسالے کا اجرا کرنے سے پہلے ان کی نفسیات کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔"

نواز صاحب مسکرائے۔ ان کی مسکراہٹ ایسی تھی جیسے وہ عزت کا مضحکہ اڑا رہے ہوں،

انہوں نے کہا،

" آپ ایک سیدھی سادی سی بات کو نفسیاتی پیچیدگیوں میں اُلجھانا چاہتی ہیں۔"

" جی نہیں ____ " عزت نے کہا " یہ سیدھی سادی سی بات نہیں

ہے۔ ہم عورتوں کی زندگی کا ایک اُلجھا ہوا اہم مسئلہ ہے کہ ہم خواب کیوں دیکھتی ہیں —— ؟ اس لئے دیکھتی ہیں کہ ہمیں بچپن ہی سے دکھائے جاتے ہیں۔

نانی اماں اور دادی اماں اپنی کہانیوں میں ہمیں ایک خوبصورت شہزادے کا تصور دیتی ہیں، ہمارا بچپن ان کے خوش رنگ محلوں میں گزرتا ہے —— ہماری عمر کچی ہوتی ہے، ہمارا ذہن کچا ہوتا ہے مگر ہم ان محلوں میں بیاہ دی جاتی ہیں، ہمارا دل، ہمارا دماغ تو بہت پہلے ہی خوابوں کی سسرال میں قید ہو جاتا ہے، صرف ایک خالی خولی جسم بھٹکتا رہ جاتا ہے، جس کے لئے دانشور حضرات بدنامی کے راستے ہموار کرتے ہیں۔

"واہ بہت خوب —— !" ناصرہ پروین نے تعریف کی ——

"عزت صاحبہ! آپ نے نفسیات کی روشنی میں عورت کی مظلومیت کو بڑی خوب صورتی سے پیش کیا ہے۔"

نواز صاحب نے عزت سے کہا۔

"آپ کی بات کسی حد تک درست ہے لیکن یہ بات تمام عورتوں پر صادق نہیں آتی، بہت سی عورتیں صابر ہوتی ہیں، انہیں جو کچھ اپنی زندگی میں ملتا ہے اسے تقدیر سمجھ کر قبول کر لیتی ہیں۔"

عزت نے جواب دیا۔

"میں ان عورتوں کی بات کر رہی ہوں جو اپنی ذہانت اور تعلیمی صلاحیتوں سے خوابوں کی تعبیر تک پہنچنے کی جدوجہد کرتی ہیں۔ ماجدہ کا المیہ یہی ہے کہ سراج کو اس کے آنسو متاثر نہیں کرتے۔ لیکن ہم عورتوں کو متاثر کرتے ہیں کیونکہ ہم ٹوٹے ہوئے خوابوں کے کرب کو اچھی طرح محسوس کرتی ہیں۔

ایک مدیرہ کی حیثیت سے میرا فیصلہ ہے کہ اس کہانی کو ضرور شائع ہونا چاہیئے۔"

نواز صاحب اس کے سامنے کہانی کا مسودہ پھینک کر کھڑے ہو گئے۔

مسودہ پھینکنے کا انداز ایسا ہی تھا جیسے کہہ رہے ہوں۔

"جہنم میں جاؤ . . . ."

پھر وہ خود ہی وہاں سے چلے گئے۔

عزت خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی رہی اور آہستہ آہستہ اپنے ہونٹوں کو چباتی رہی —— اگر تنہائی میں وہ مسودہ اس کے منہ پر مار جاتے تو اسے تکلیف نہیں ہوتی۔ لیکن دوسری لڑکیوں کی موجودگی میں اسے اپنی توہین کا احساس ہو رہا تھا۔

ناصرہ پروین نے اس سے کہا

"آپ نے بہت ہی معقول جواب دیا ہے، نواز صاحب لاجواب ہو کر چلے گئے۔"

عزت نے ناگواری کا اظہار کیا۔

"اونہہ ——! پتہ نہیں اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہیں، بہت ہی خود پسند اور مغرور انسان ہیں —— کیا لکھنے پڑھنے کی چیزوں کو اسی طرح پھینکا جاتا ہے؟"

ناصرہ نے مسکرا کر کہا۔

"کوئی سچائی کو مسکرا کر تسلیم کرتا ہے اور کوئی جھنجھلا کر بہرحال انہوں نے تسلیم کر لیا ہے۔"

فرزانہ فہیم مسودے کو سمیٹتی ہوئی بولی۔

"بیچارے عورتوں کو نہیں سمجھ پائے ہیں اگر فیملی لائف گزارتے، تو آج ایسی بحث نہ کرتے۔"

عزت نے فیصلہ سنا دیا۔

"ایسا شخص فیملی لائف نہیں گزار سکتا۔"

"کیوں نہیں گزار سکتا —؟" فرزانہ نے سوال کیا۔

"اس لئے کہ اس اس گھر میں اگر کوئی عورت کسی کام سے اوپری منزل

کی طرف جائے گی تو وہ حضرت یہی سمجھیں گے کہ وہ اونچائی کے خواب دیکھ کر زینے چڑھ رہی ہے۔"

ناصرہ اور فرزانہ بے اختیار ہنسنے لگیں، پھر انہوں نے جلدی سے دونوں ہاتھ منہ پر رکھ لئے تاکہ دوسرے کمرے میں ہنسی کی آواز نہ جائے۔

دوسرے کمرے میں نواز صاحب اپنے دوست صفدر سے الجھ رہے تھے۔

"صفدر صاحب! —— آپ نے مجھے کس مصیبت میں ڈال دیا ہے کیا یہ خواتین کا رسالہ جاری کرنا ہمارے بس کی بات ہے ——؛ جہاں چار عورتیں ہم خیال ہو جاتی ہیں؛ وہاں اپنی ہی بات منوا لیتی ہیں۔ —— اچھا ہی ہوا کہ اسمبلی میں انہیں ایک سے زیادہ سیٹ نہیں ملی ہے۔"

صفدر صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میں نے آپ کو مشورہ دیا تھا کہ شادی کیجئے اور کسی کو اپنی عزت بنا کر گھر لے آیئے۔ لیکن آپ ماہنامہ "عزت" کو ہر گھر کی زینت بنا رہے ہیں۔

ویسے تو یہ بہت نیک کام ہے۔ لیکن خواتین کا رسالہ شائع کرنے

کے لئے آپ کو خواتین کے نظریات سے متفق ہونا پڑے گا ۔"

نواز احمد درانی ایک گہری سانس لے کر بولے ۔

"ہاں ۔۔۔ میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں ۔ ابھی ایک کہانی پر عزت آرا سے میرا اختلاف ہو گیا تھا ۔ میں نے بحث کو طول نہیں دیا ۔ وہ عزت کی مدیرہ ہیں ۔ اگر کہانی قارئین کو پسند نہ آئی تو اس کی ذمہ داری ان پر ہی عائد ہو گی ۔"

"آپ نے بہت اچھا کیا ۔ جس کا کام اسی کو ساجھے ۔"

صفدر صاحب نے مسکرا کر کہا ۔

"ویسے نواز صاحب ! ۔۔۔ آپ میں ایک اچھا خاوند بننے کی صلاحیتیں موجود ہیں ۔۔۔ آپ عورتوں سے بحث کرنے کی بجائے انہیں طفلانہ تسلی دے کر مطمئن کر دیتے ہیں ۔ کوئی بھی عورت ہو ، آپ کے ساتھ ایک خوشگوار ازدواجی زندگی گزار سکتی ہے ۔"

"آپ نے پھر وہی شادی کی بحث چھیڑ دی ۔۔۔ بھئی کسی عورت سے شادی کرنا یا عورتوں کے لئے رسالہ شائع کرنا ایک برابر ہے دونوں ہی معاملات میں عورتوں کے جذبات و احساسات کا لحاظ کرنا پڑتا ہے ۔ پہلے شمارہ کی محنت اور مصروفیتوں کے دوران مجھے تو ایسا ہی محسوس ہوتا ہے جیسے میں عزت سے شادی کر رہا ۔۔۔ میرا

مطلب ہے ۔۔۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے ماہنامہ عزت سے میری ساری زندگی کا رشتہ ہو رہا ہے ۔"

"وہ تو ہو ہی رہا ہے" ۔۔۔ صفدر صاحب نے مسکرا کر کہا ۔

نواز صاحب کچھ پریشان سے ہو کر ریوالونگ چیئر پر گھوم گئے ۔ اور کھڑکی کے باہر خلا میں تکنے لگے ۔ زبان ذرا سی لڑکھڑا جائے تو کتنی پریشانی ہوتی ہے ۔

وہ ماہنامہ عزت کہنا چاہتے تھے مگر بے خیالی میں صرف عزت کا نام آیا ۔

بے خیالی ایک بے معنی سا لفظ ہے ۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے ۔ کہ انسان کبھی خیال سے خالی نہیں ہوتا ۔ پھر بے خیالی میں کوئی بات کیسے ہو سکتی ہے ۔ ؟

نواز صاحب خلا میں گھورتے ہوئے بار بار اپنے ذہن کو کریدتے رہے کہ وہ نام ان کی زبان پر یونہی کیسے چلا آیا ؟ ۔۔۔ کس چور دروازے سے چلا آیا ؟

بڑی مصیبت ہے انسان کو اپنے ہی اندر کے چور دروازے نظر نہیں آتے اور جب نظر نہیں آتے ہیں تو یہ سوچ کر خاموش رہنا پڑتا ہے ۔ کہ زندگی میں کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو آپ ہی آپ زبان سے پھسل کر

باہر آجاتی ہیں۔

وہ ریوالونگ چیئر پر کھڑکی کی جانب سے گھوم گئے۔ سامنے میز کی دوسری طرف صفدر صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"یہ ریوالونگ چیئر بڑی اچھی چیز ہے۔ انسان کو بیٹھے بیٹھے ادھر سے اُدھر کر دیتی ہے — دیکھئے نا نواز صاحب ایک پھول کا نام بھی نرگس ہوتا ہے اور ایک لڑکی کا نام بھی نرگس ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ نرگسی پھول کھلنے کا ذکر ہو تو ذہن میں آپ ہی آپ کسی اور نرگس کا چہرہ کھل جاتا ہے۔"

یہ کہہ کر انہوں نے ایک قہقہہ لگایا اور وہاں سے جانے کے لئے اٹھ گئے۔

نواز صاحب نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کے انداز میں کہا۔

"دیکھئے صفدر صاحب! آپ میرے متعلق غلط رائے قائم کر رہے ہیں۔ آپ میری سوچ کو ایک ایسی لڑکی سے منسوب کر رہے ہیں — جو ہمیشہ اسکینڈل کا شکار رہتی ہے تعجب ہے کہ ایسا مذاق کرتے وقت آپ میرے معیار کو بھول گئے ہیں۔"

صفدر صاحب ذرا سنجیدہ ہو گئے۔

انہوں نے نواز صاحب کو گہری نظروں سے دیکھا اور کہا۔

"جھوٹ اور سچ کے درمیان جو بات اٹک کر رہ جاتی ہے اسے اسکینڈل کہتے ہیں۔ اگر آپ کو یقین ہو جاتا ہے کہ عزت آرا کے متعلق جو افواہیں ہیں وہ بالکل سچ ہیں تو آپ کبھی انہیں مدیرہ کی حیثیت سے منتخب نہ کرتے۔ آپ کے انتخاب سے آپ کے معیار کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

یہ ایک الگ سی بات ہے کہ سچ اور جھوٹ کے درمیان ایک کانٹا سا کھٹک رہا ہے۔ اس کانٹے کو نکال پھینکنا اور حقیقت کو سمجھنا ہمارا اور آپ کا فرض ہے۔ کیونکہ عزت آرا اب ہمارے ادارے کی عزت ہیں۔ ان کی ہی صلاحیتوں سے ماہنامہ "عزت" کا وقار بلند ہو گا۔"

یہ کہہ کر وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے دفتر سے باہر چلے گئے۔

ان کے جاتے ہی نواز احمد درانی بہت آہستہ آہستہ ریوالونگ چیئر پر گھوم گئے اور کھڑکی سے باہر خلا میں تکنے لگے — ریوالونگ چیئر واقعی بہت اچھی چیز ہے۔ انسان بیٹھے بیٹھے اِدھر سے اُدھر نرگسی پھول سے نرگسی چہرے تک پہنچ جاتا ہے۔

وہ سوچے تو اپنے مرد کے ذہن سے سوچے۔
بولے تو اپنے مرد کی زبان سے بولے۔ ایسے ہی مرد کی باہوں میں زندگی ملے اور ایسے ہی مرد کے قدموں میں موت نصیب ہو۔

شبنم کی عید ہوگئی۔

جب سے آمنہ بوا نے آکر بتایا تھا کہ فرہاد اس کے دیئے ہوئے پتہ پر ملازمت کے لئے جائے گا۔ اس وقت سے ہی وہ مارے خوشی کے دیوانی ہوئی جا رہی تھی۔

وہ پچھلی رات ہی سوسائٹی والی کوٹھی میں آگئی تھی۔ کیونکہ اس نے فرہاد کو اسی کوٹھی کا پتہ دیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ برسوں سے نوکری کی تلاش میں بھٹکنے والا ملازمت حاصل کرنے کے لالچ میں ضرور اس کے پاس آئے گا۔

وہ یہ بھی اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ فرہاد بدنامی کے خیال سے اپنے محلے

میں اس سے ملاقات نہیں کرے گا۔ اسی لئے اس نے چارہ ڈال کر اسے کوٹھی میں بلایا تھا۔

وہ کوٹھی کرائے پر اٹھا دی گئی تھی۔ لیکن کرایہ دار پچھلے ماہ اسے خالی کر کے چلا گیا تھا۔ وہ پچھلی رات سے ایک ملازمہ کو لے کر ڈرائینگ روم اور بیڈ روم کا سامان درست کر رہی تھی۔ بستر کی چادریں بدلی جا رہی تھیں۔ کھڑکیوں اور دروازوں پر نئے پردے لگائے جا رہے تھے۔

ملازمہ کارپٹ کلینر سے قالین صاف کرتی رہی۔ تمام فرنیچر کو جھاڑ پونچھ کر چمکاتی رہی ——— شبنم کھانے کی فہرست بنانے میں رات گئے تک مصروف رہی۔

ملازمہ نے پوچھا۔

"بی بی جی! کوئی نئے کرایہ دار آ رہے ہیں؟"

"نہیں —!"

"کوئی مہمان آ رہے ہیں؟"

"مہمان —" شبنم آپ ہی آپ مسکرانے لگی ——— "ہاں وہ میرے دل کا مالک ہے۔ مگر مہمان بن کر آ رہا ہے۔"

ملازمہ اسے خیالوں میں گم ہوتے دیکھ کر سونے چلی گئی۔ بہت رات گزر گئی تھی۔ لیکن شبنم کی آنکھوں میں نیند نہیں تھی۔ وہ کروٹ پر کروٹ

بدل رہی تھی ——— اس کی ہر کروٹ پر فرہاد سامنے آ کر کھڑا ہو جاتا تھا۔

اس کی راتوں میں بہت سے لوگ آئے تھے۔ مگر خیالوں کے شبستان میں ایک ہی مرد تھا ——— فرہاد!

اس کے دل میں کسی گناہ کا شوق نہیں تھا۔ گناہ آلود زندگی نے اسے تھکا دیا تھا۔ وہ اپنے ماضی سے خود ہی نفرت کرنے لگی تھی۔ زندگی میں ایک ایسا وقت آتا ہے۔ جب انسان خود بخود توبہ کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

وہ توبہ کا راستہ اختیار کر رہی تھی۔

اس نے محلے کی ایک مسجد کی تعمیر کے لئے ہزاروں روپے دیئے ——— یتیم خانوں اور فلاحی اداروں میں بھی چندا دیتی رہی ——— اس نے محلے کی گلی کوچوں کو غلاظت سے صاف کرایا ——— بھوکوں اور بے روزگاروں کے کام آتی رہی ——— اس نے ہر وہ کام کئے۔ جس سے خدا کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے ——— خدا کو خوش کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ وہ رحمان و رحیم ہے۔ بندوں کی ایک ذرا سی نیکی سے خوش ہو کر معاف کر دیتا ہے۔

لیکن انسان، انسان کو معاف نہیں کرتا۔

وہ گناہگار تھی اس لئے لوگ کب سے گناہگار ہی سمجھتے تھے۔ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ بُری سے بُری عورت میں بھی نیکی اور پاکیزگی کا شوق پیدا ہو سکتا ہے۔

یہ دنیا ایک بار جسے گناہگار کہتی ہے، ساری زندگی اسے بدنام کرتی رہتی ہے۔

شبنم کو دنیا والوں کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ خدا کے بعد صرف فرہاد کے دل میں جگہ بنانا چاہتی تھی۔ وہ اسے گاہک کی حیثیت سے نہیں بلکہ اپنے مالک و آقا کی حیثیت سے قبول کرنا چاہتی تھی۔

عورت اپنی فطرت سے مجبور ہے۔ جب تک کوئی مرد حاکم بن کر اس کی زندگی میں نہیں آتا۔ اس وقت تک اس کی نسائیت بیقرار رہتی ہے خواہ اس کی زندگی میں سینکڑوں چاہنے والے آجائیں، لیکن اسے آسودگی حاصل نہیں ہوتی۔

کوئی ایسا ہو جو اس پر حکومت کرے۔ اس کے دل پر، اس کے دماغ پر اور اس کی روح پر چھا جائے۔ وہ سوچے تو اپنے مرد کے ذہن سے سوچے —— بولے تو اپنے مرد کی زبان سے بولے —— ایسے ہی مرد کی باہوں میں زندگی ملے اور ایسے ہی مرد کے قدموں میں موت نصیب ہو۔

اور فرہاد ایسا ہی آئیڈیل تھا۔

شبنم نے جب سے اسے دیکھا تھا، تب ہی سے اس کے اندر کی عورت بیدار ہو گئی تھی اور وہ بڑی دیانتداری سے اپنا ایک چھوٹا سا گھر بسانے کی تمنا کر رہی تھی —— ایک چھوٹا سا گھر، جس میں وہ فرہاد کے لئے کھانا پکائے گی۔ اس کے لئے بستر بچھائے گی، اس کے پاؤں دبائے گی۔ فرہاد سے ہونے والے بچے اس گھر کے آنگن میں کھیلیں گے اور ماں باپ کی گود میں خوش رنگ پھولوں کی طرح کھلتے رہیں گے۔

کتنی چھوٹی سی، کتنی معمولی سی آرزو تھی —— یہ آرزو اس کی دولت سے پوری نہیں ہو سکتی تھی۔ فرہاد کی محبتوں اور عنائیتوں سے ہی اس گھر کی جنت کے دروازے کھل سکتے تھے۔

وہ تمام رات بے چینی سے کروٹیں بدلتی رہی۔ کبھی سوتی رہی، کبھی جاگتی رہی اور سوتے جاگتے سوچ نگر کی راہوں میں فرہاد کے پیچھے بھاگتی رہی۔

دوسرے دن اس نے پُرتکلف دعوت کا اہتمام کیا۔ شام تک اس کی عجیب سی حالت ہو گئی تھی۔ کبھی وہ دروازے پر آکر فرہاد کا انتظار کرتی تھی۔ کبھی ڈرائینگ روم اور بیڈروم میں آکر ہر چیز کا جائزہ لیتی تھی اور کبھی آئینہ کے سامنے کھڑی ہو کر اپنے سنگار کو دیکھتی تھی۔

آج اس نے کسی غیر کے لئے سنگار نہیں کیا تھا۔ نہ کسی کو للچانا تھا۔ اور نہ ہی کسی کو گاہک بنانا تھا۔ اسی لئے آج اس کے چہرے پر غازہ اور ہونٹوں پر سرخی نہیں تھی صرف آنکھوں میں کاجل تھا۔ اپنی دولت کی نمائش کے لئے اس نے سونے کے زیورات نہیں پہنے تھے۔ صرف کانوں میں بندے اور ہاتھوں میں کانچ کی چوڑیاں تھیں۔ لباس بھی بھڑکیلا نہیں تھا۔ لیکن اس کا صحت مند جسم ایسا بھڑکیلا تھا کہ سفید ساڑھی اور بلاؤز میں بھی نگاہوں کو گرما دیتا تھا۔

ٹھیک سات بجے ملازمہ نے اطلاع دی کہ فرہاد صاحب آ گئے ہیں۔

"انہیں ڈرائینگ روم میں بٹھاؤ۔"

فرطِ مسرت سے اس کی آواز لرزنے لگی۔

اسے فرہاد کے استقبال کے لئے آگے بڑھنا چاہیئے تھا۔ اس نے پہلے سے سوچ رکھا تھا کہ فرہاد آئے گا تو وہ کس طرح مسکرا کر اس کا استقبال کرے گی اور کتنے میٹھے انداز میں اس سے گفتگو کرے گی۔ لیکن اس کی آمد کی اطلاع پاتے ہی وہ سب کچھ بھول گئی۔

رسمی چلے اور رسمی ادائیں ایسے وقت یاد آتی ہیں۔ جب کسی کو اپنے دام میں پھنسانا مقصود ہو۔ لیکن آج اس نے کوئی جال نہیں بچھایا

تھا بلکہ خود ہی فرہاد کے جال میں اُلجھنا چاہتی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دروازے کے پاس آئی اور اسے ذرا سا کھول کر جھانکنے لگی۔

ڈرائینگ روم میں فرہاد نظر آ رہا تھا ایش کلر کی پتلون اور کریم کلر کی شرٹ میں وہ پہلے سے زیادہ جاذب نظر ہو گیا تھا یا پھر شبنم کی نظروں میں ہی پیار کی اتنی خوبصورتیاں سما گئی تھیں کہ فرہاد اسے ہر اعتبار سے مکمل نظر آ رہا تھا۔ صرف فرہاد ہی نہیں آج اس کے آتے ہی شبنم کو اپنا گھر بھی مکمل نظر آ رہا تھا۔

وہ صوفہ کے قریب کھڑا ہوا تھا اور صوفہ پر بیٹھتے ہوئے جھجک رہا تھا۔ کیونکہ وہ اسے کسی بڑے آفیسر کی کوٹھی سمجھ کر آیا تھا۔ اس آفیسر سے ملے بغیر اور اس کی اجازت کے بغیر کیسے بیٹھ سکتا تھا۔

ملازمہ نے کہا۔

"بیٹھ جائیے ---!"

وہ جھجکتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ شاید سوچ رہا تھا کہ ایک ملازمہ کے کہنے سے اسے بیٹھنا چاہیئے یا نہیں شبنم دروازے کی آڑ سے مسکراتی رہی۔

ملازمہ نے دوبارہ کہا۔

"آپ تکلف نہ کریں۔ یہ آپ ہی کا گھر ہے۔ میں آپ کے لئے چائے لاتی ہوں۔ آپ اطمینان سے یہاں تشریف رکھیں۔"

یہ کہہ کر وہ کچن کی طرف چلی گئی۔

وہ ہچکچاتے ہوئے صوفہ کے سرے پر بیٹھ گیا۔

دروازے کے پیچھے شبنم کا دل دھڑکتا رہا۔ وہ سامنا کرنے سے پہلے اپنی گھبراہٹ اور اپنی خوشیوں پر ایک ذرا قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے اپنی ساڑھی کو اچھی طرح اپنے سینے پر سے لے جا کر، شانے پر سے گزار کر اس کے آنچل کو سر پر رکھ لیا۔ وہ اپنے مجازی خدا کے سامنے ننگے سر نہیں جا سکتی تھی۔

وہ اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر ڈرائینگ روم میں آ گئی۔

فرہاد نے اسے آتے ہوئے نہیں دیکھا، کیونکہ وہ سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا۔

شبنم دو قدم آگے بڑھتی تھی پھر جھجک کر، شرما کر رک جاتی تھی۔ صوفوں کے قریب پہنچ کر اس نے بدقت لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"آداب ــ!"

فرہاد ہڑبڑا کر کھڑا ہو گیا۔ عورت کی آواز سن کر پہلے

تو اس نے یہی سمجھا تھا کہ آفیسر کی کوئی عزیزہ ہے۔ پھر شبنم پر نظر پڑتے ہی وہ حیران رہ گیا۔

"تم ــ؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

شبنم نے سر کو جھکا لیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ فرہاد کی حیرانی کا کیا جواب دے۔ اس نے پھر پوچھا۔

"کیا تم میری سفارش کرنے آئی ہو؟"

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"پھر تمہاری موجودگی کا کیا مطلب ہے؟"

شبنم کے دل کو ٹھیس لگی۔ فرہاد کا لہجہ ایسا تھا جیسے وہ پتھر مار کر پوچھ رہا ہو کہ تم یہاں کیوں آئی ہو؟ یہاں سے چلی جاؤ۔

وہ غمزدہ نگاہوں سے دیکھتی ہوئی بولی۔

"کیا میری موجودگی آپ پر گراں گزر رہی ہے؟"

"ہاں ــ میں اپنی امی اور بہن کے اصرار پر تمہارا احسان قبول کرتے ہوئے یہاں آیا ہوں۔ اگر میں اس دنیا میں تنہا ہوتا اور بوڑھی ماں اور جوان بہن کی ذمہ داریاں مجھ پر نہ ہوتیں تو میں یہ احسان کبھی نہ اٹھاتا۔ میرے حالات نے مجھے مجبور کر دیا ہے۔ لیکن اتنا بھی مجبور نہیں ہوں کہ اپنی صلاحیتوں کے بل پر ملازمت حاصل کرنے کی بجائے تمہاری سفارش کے ذریعہ

ملازمت حاصل کروں ...."

وہ دکھ بھری نظروں سے اسے دیکھتی رہی، پھر اس نے ٹوٹے ہوئے دل سے پوچھا۔

"کیا تم مجھ سے نفرت کرتے ہو؟"

فرہاد ذرا دیر کے لئے چپ رہا اور اسے دیکھ کر سوچتا رہا کہ کیا جواب دینا چاہیئے نفرت تو وہ کرتا تھا، مگر یہ پرانی بات تھی۔ اب وہ یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ اسے نفرت کرنا چاہیئے یا نہیں۔ کیونکہ اپنے محلے میں اس نے شبنم کو ہمیشہ دوسروں کے ساتھ بھلائی کرتے دیکھا تھا۔

اور اس وقت جو شبنم اس کے سامنے کھڑی ہوئی تھی، وہ خالص مشرقی عورت نظر آرہی تھی سر پر آنچل، حیا سے جھکی ہوئی پلکیں، چہرے پر ایسی معصومیت تھی کہ دور دور تک کسی گناہگار عورت کا سراغ نہیں ملتا تھا۔

سفید ساڑھی اور سفید بلاؤز میں وہ اتنی سیدھی سادی اور فرشتہ صفت عورت نظر آرہی تھی کہ فرہاد نفرت کا اظہار نہ کرسکا۔ اس نے آہستگی سے کہا۔

"پھول کو حاصل کرنے والے کانٹوں سے نفرت نہیں کرتے، صرف

ان کانٹوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں تم سے نفرت نہیں کرتا بلکہ تم سے بچ کر ملازمت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"آپ مجھ سے دامن کیوں بچانا چاہتے ہیں؟"

"اس لئے کہ تمہارے قریب بدنامیاں ہیں۔"

"کیا تم ایک کمزور عورت کو بدنامیوں سے نہیں بچا سکتے؟"

"میں؟" اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا "میں تمہیں کس طرح بدنامیوں سے بچا سکتا ہوں۔ جو تم نے بویا ہے وہ کاٹ رہی ہو۔"

"نہیں" شبنم نے جواب دیا "جو میں نے بویا تھا، وہ کاٹ چکی ہوں۔ انسان کی زندگی میں بونے اور کاٹنے کے بے شمار مواقع آتے ہیں۔ اب کی دفعہ میں نیکی بونا اور نیکی کی فصل کاٹنا چاہتی ہوں اس کے لئے میں ابتک تنہا جدوجہد کرتی آرہی ہوں۔ کیا اس نیک کام میں تم میری مدد نہیں کروگے؟"

وہ اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا کہ اس کی باتوں میں کہاں تک صداقت ہے۔

صداقت ضرور تھی فرہاد نے اسے ایک ہمدرد اور رحم دل عورت کے روپ میں دیکھا تھا۔ اسے دوسروں کے دکھ درد میں شریک

ہوتے ہوئے اور تن من دھن سے ان کے کام آتے دیکھا تھا ــــ
ویسے یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ لوگ اپنی بُرائیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے اوپر سے شریف اور پارسا بن جاتے ہیں۔ بظاہر دوسروں سے نیکی کرتے ہیں۔ لیکن درپردہ اپنی عادت کے مطابق گناہ آلود زندگی گزارتے ہیں۔

شبنم بھی اپنی پرانی عادتوں سے مجبور ہوسکتی ہے ــــ فرہاد اس کی جانب دیکھ کر سوچنے لگا ــــ سامنے کھڑی ہوئی شبنم نگاہوں میں سمائی جارہی تھی، اوپر سے دیکھو تو کوئی کھوٹ نظر نہیں آتا تھا۔ اس کے حسن میں ایسی دلکشی تھی کہ سیدھی دل پر آکر دستک دیتی تھی۔

اب نہ جانے وہ اندر سے کیسی ہوگی؟ ــــ انسان کو تو اوپر سے نہیں، اندر سے بدلنا چاہیئے۔ اب کوئی اس کے دل میں جھانک کر نہیں دیکھ سکتا تھا کہ وہ گناہ سے واقعی توبہ کرچکی ہے یا نہیں؟

فرہاد نے سر جھکا کر کہا۔

" یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ تم نے نیکی کا راستہ اختیار کیا ہے۔ اس راستہ پر تمہارا ساتھ دینے والے بہت سے لوگ مل جائیں گے۔ میری بھی نیک تمنائیں تمہارے ساتھ ہیں۔"

وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

" سب ہی خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ کوئی اپنی نیک تمناؤں کا اظہار

کرتا ہے اور کوئی دعائیں دیتا ہے ــــ لوگ بڑی بڑی تسلیاں دے کر کترا جاتے ہیں ــــ آپ بھی میرے ساتھ یہی سلوک کررہے ہیں۔"

" میں مجبور ہوں تم سے صرف زبانی ہمدردی کرسکتا ہوں۔ کیوں کہ تمہارے ساتھ بدنامیاں ہیں۔ اگر کسی نے مجھے تمہارے قریب دیکھ لیا تو یہ بدنامیاں میرے گھر تک پہنچ جائیں گی اور تم جانتی ہو کہ میرے گھر میں ایک جوان بہن ہے۔"

" ہاں ــــ جانتی ہوں۔ اسی لئے آپ کا سہارا تلاش کررہی ہوں کیونکہ آپ بدنامیوں کے زخم کو اچھی طرح محسوس کرتے ہیں۔ آپ کی بہن اتنی پیاری اور نیک سیرت ہے۔ پھر بھی دنیا والے ان کی نیکیوں کی قدر نہیں کرتے ــــ بُروں کو بھی بدنام کرتے ہیں اور اچھوں کو بھی معاف نہیں کرتے۔

اب آپ ہی بتایئے کہ آپ دنیا والوں کا کیا بگاڑ لیں گے ــ؟ ــ کچھ نہیں ــــ آپ کچھ نہیں کرسکتے ــــ احمقوں سے اُلجھنے سے بدنامی اور بڑھتی ہے ــ دانش مندی یہی ہے کہ ہم نیکی اور شرافت کے راستے پر خاموشی سے چلتے رہیں۔ اور جھوٹی باتیں پھیلانے والوں سے ہمیشہ کتراتے رہیں۔

ان سے کترانے کے لئے ہی میں نے آپ سے یہاں ملاقات کی ہے۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ آپ مجھ سے اس محلے میں ملاقات کریں اور اس طرح میری بدنامی آپ کے ساتھ آپ کی بہن تک پہنچ جائے ۔۔۔ آپ خود ہی اندازہ لگایئے کہ میں آپ لوگوں کی عزت کا کتنا خیال رکھتی ہوں ۔۔۔۔۔"

فرہاد ایک گہری سانس لے کر صوفہ پر بیٹھ گیا۔ ملازمہ چائے اور ناشتہ کی ٹرالی رکھ کر جا رہی تھی۔

شبنم نے اس سے کہا۔

"کسی کا فون آئے تو کہہ دینا۔ میں گھر میں نہیں ہوں۔"

"جی اچھا ۔۔۔!" وہ چلی گئی۔

فرہاد نے حیرانی سے پوچھا۔

"کیا یہ تمہاری کوٹھی ہے؟"

"جی ہاں ۔۔۔!" وہ اس کے قریب ایک صوفہ پر بیٹھ کر چائے بنانے لگی۔

فرہاد نے کہا۔

"ہوں ۔۔۔ تو تم نے مجھے دھوکہ دیا ہے؟"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ۔۔۔ میں آپ کو کبھی دھوکہ دینے کے

متعلق سوچ بھی نہیں سکتی ۔۔۔ آپ ملازمت کی تلاش میں آئے ہیں ۔۔۔ آپ کو ملازمت ضرور ملے گی ۔۔۔ اگر آپ مجھے کسی قابل سمجھ کر میرا مشورہ قبول کریں تو میں کچھ اور مشورہ دینا چاہتی ہوں۔"

اس نے پیسٹری کی ایک پلیٹ آگے بڑھائی۔

فرہاد نے کہا۔

"شکریہ ۔۔۔ میں صرف چائے پینا چاہتا ہوں۔ تم یہ بتاؤ کہ کونسا مشورہ دینا چاہتی ہو۔"

"یہی کہ آپ ملازمت نہ کریں ۔۔۔ ملازمت میں بندھی بندھائی آمدنی ہے۔ آپ کوئی اچھا سا کاروبار کیجئے ۔۔۔۔"

"کاروبار کے لئے اچھی خاصی رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں اتنی رقم کہاں سے لاؤں گا ۔۔۔؟"

"پارٹنرشپ میں بزنس کرنے کے لئے آپ کو پیسوں کی ضرورت نہیں ہوگی۔ دوسروں کا پیسہ ہوگا اور آپ کی محنت ہوگی۔"

"میری محنت پر بھروسہ کر کے کون اپنی دولت ضائع کرے گا۔"

"آپ ضائع ہونے کے متعلق کیوں سوچتے ہیں۔ کاروبار ایک جوا ہے اس میں نقصان بھی ہوتا ہے اور نفع بھی ۔۔۔ میں تو اتنا جانتی ہوں کہ جو کام نیک نیتی سے کیا جائے اس میں نقصان نہیں ہوتا۔"

اس نے چائے کی پیالی اس کی طرف بڑھائی ـــــ وہ پیالی لیتے ہوئے بولا۔

"یہی تو سب سے اہم سوال ہے کہ میری نیک نیتی پر کون اعتماد کرے گا ـ ؟"

"میں کروں گی ـ !"

"تم ـــــ ؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔ "یعنی کہ تم پارٹنر شپ میں بزنس کرو گی ؟"

"ہاں ـــــ اس میں حیرانی کی کیا بات ہے ؟"

"کیا یہ حیرانی کی بات نہیں ہے کہ میں نے آج سے پہلے کبھی کوئی کاروبار نہیں کیا۔ میں ایک ناتجربہ کار آدمی ہوں۔ اور تم پارٹنر بن کر اپنی دولت ضائع کرنا چاہتی ہو ـــــ آخر تمہیں مجھ پر اتنا اعتماد کیوں ہے ؟"

شبنم تھوڑی دیر تک سر جھکائے پیالی میں چمچہ کو ہلاتی رہی ـ اپنی زندگی کی پیالی میں مٹھاس گھولتی رہی۔ پھر اس نے کہا۔

"میں عورت ہوں ـــــ کسی ایک شخص پر اعتماد کئے بغیر پرسکون زندگی نہیں گزار سکتی۔ میں تنہا محفوظ نہیں رہ سکتی۔ میری دولت کو دیکھ کر بہت سے لوگ اپنی محبت اور دیانت داری کا یقین دلا سکتے ہیں۔ لیکن میں کسی پر یقین نہیں کر سکتی۔ کیونکہ میں بہت ٹھوکریں کھا چکی ہوں۔

آپ ایک شریف خاندان کے فرد ہیں ـــــ جانے کیوں میں دل سے آپ پر اعتماد کرنے لگی ہوں۔ شاید اس لئے کہ آپ نے میرے حسن سے اور میری دولت سے متاثر ہو کر کبھی میرے قریب آنے کی کوشش نہیں کی ـــــ شاید اس لئے کہ آپ کی بہن کی معصومیت اور اس کے ساتھ ہونے والی فضول بدنامیوں نے مجھے متاثر کیا ہے۔ آپ لوگ بھی میری طرح زخم خوردہ ہیں ـــــ میں یقین سے نہیں کہہ سکتی کہ میں آپ پر کیوں اعتماد کرتی ہوں ـــــ آپ اسے اندھا اعتماد سمجھ لیجئے ـــــ میں اپنے دل سے مجبور ہو کر آپ کو اپنا پارٹنر بنانا چاہتی ہوں ـ"

شبنم روانی میں بولتی چلی گئی۔ روانی ایسی تھی کہ وہ بے خیالی میں اپنے دل کی کمزوری بیان کرتی چلی گئی۔ وہ یہ سمجھ نہ سکی کہ دل سے مجبور ہو کر کسی کو پارٹنر بنانے کا مطلب کیا ہوتا ہے۔

فرہاد نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور آہستگی سے کہا۔

"کاروبار میں دل سے نہیں دماغ سے کام لیا جاتا ہے ـ تم نے کاروبار کا مسئلہ چھیڑ کر مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ مجھے اس مسئلہ کے ہر پہلو پر غور کرنا ہوگا۔ سب سے پہلے تو یہ سوچنا ہوگا کہ کاروباری تعلقات کی وجہ سے ہمارے آپس کے تعلقات بڑھیں گے۔ پھر اس کا انجام کیا ہوگا ؟

وہی بدنامی . . . .

تم مجھ پر اندھا اعتماد کر رہی ہو۔ اس لئے میں بھی اپنی بدنامی کی کبھی پرواہ نہ کرتا۔ لیکن ہماری وجہ سے ایک جوان بہن کی بدنامیوں میں اضافہ ہو جائے گا۔"

شبنم نے کہا۔

"میں آپ کی بہن کو بدنام نہیں ہونے دوں گی۔ یہ میرا وعدہ ہے میں اس محلے کو چھوڑ دوں گی اور اسی کوٹھی میں رہا کروں گی۔ ہماری ملاقاتیں بھی یہاں ہوا کریں گی۔ یہ اتنا بڑا علاقہ ہے کہ کوئی ایک دوسرے کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ کوئی آپ کے متعلق یہ نہیں پوچھے گا کہ آپ کون ہیں اور یہاں کیوں آتے ہیں؟

میرا مشورہ ہے کہ آپ بھی اپنی والدہ اور بہن کے ساتھ کسی دوسرے علاقہ میں چلے جائیں۔ کراچی اتنا بڑا شہر ہے کہ بدنامی پیچھا کرتے کرتے تھک جاتی ہے۔ نئی جگہ کوئی آپ لوگوں کو نہیں جانتا ہوگا۔ وہاں آپ ایک نئی اور بے داغ زندگی کا آغاز کر سکتے ہیں۔"

فرہاد نے چائے کی پیالی ٹرالی پر رکھ دی اور اس کی باتوں پر غور کرنے لگا۔ شبنم نے کہا۔

"سوچنے کے لئے ابھی بہت وقت ہے۔ آیئے میں آپ کو اپنی کوٹھی

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

فرہاد ایک سگریٹ نکال کر سلگانے لگا۔ سگریٹ کا ایک کش لینے کے بعد وہ بھی کھڑا ہو گیا اور اس کے ساتھ چلنے لگا۔ اس کے ساتھ شانہ بشانہ چلتے وقت شبنم کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ اپنے قد سے بہت اونچی ہو گئی ہے۔ پہلے وہ بہت چھوٹی سی تھی، حقیر سی تھی، ایک ادھوری عورت تھی، آج ایک مرد اس کے قریب آ کر اسے مکمل کر رہا تھا۔

وہ بھی محسوس کر رہی تھی کہ وہ ایک
عورت ہے مگر ایک ٹھوس مجسم ہستی نہیں ہے
بلکہ تخیل کی دلکشی ہے۔ ایک شعر کا دھڑکتا ہوا
مفہوم ہے ایک مغنی کی سحر انگیز آواز ہے جسے نواز
صاحب سن سکتے ہیں مگر کسی آنچل کی طرح
پکڑ نہیں سکتے۔

ماہنامہ "عزت" کا پہلا شمارہ ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ اس کا
سٹ اپ اور گٹ اپ ایسا حسین اور مکمل تھا جیسے ڈال ڈال پات پات
خوشبوؤں کو سمیٹ کر گلدستہ بنا دیا گیا ہو۔

دن رات کی محنتوں اور کاوشوں کا انعام مل گیا۔ دوسرے ہی شمارے
میں اس کی اشاعت پندرہ ہزار سے بیس ہزار ہو گئی۔ پھر یہ تعداد رفتہ رفتہ
بڑھنے لگی۔ اس پر محنت سب ہی کی تھی۔ اس پر سب ہی کی قلمی صلاحیتوں
کا پرتو تھا۔ مگر عزت آرا کا نام سرفہرست تھا کیونکہ وہ مدیرہ تھی۔ ایک منجھی
ہوئی معروف مصنفہ تھی۔ اس کی تحریر میں کنوارے جذبوں کی لطافت بھی تھی۔
اور زخمی حسرتوں کا سوز و گداز بھی ——— خوابوں کے محلوں کی بھول بھلیاں

بھی تھیں اور زندگی کی زہریلی کاٹ بھی ——— وہ معاشرے کی غلاظتوں کو الفاظ کی خوشبوؤں میں بسا کر پیش کرنے کا سلیقہ جانتی تھی۔ اس لئے اس کا نام آپ ہی آپ سب کی زبان پر چڑھتا چلا گیا۔

رسالے کی تعداد بڑھی، نام بڑھا تو ساتھ ہی ذمہ داریاں بھی بڑھ گئیں ناصرہ پروین اور فرزانہ فہیم اپنے کاموں سے نمٹ کر شام ہی کو دفتر چھوڑ دیتی تھیں۔ لیکن عزت کا کام دفتری اوقات کے بعد بھی جاری رہتا۔ آخری کاپی پریس میں جانے تک اس کی موجودگی لازمی ہوتی۔ ایک مدیرہ کی حیثیت سے صفحات کی ترتیب اور سیاق و سباق کے تسلسل پر نظر رکھنے کے لئے اسے آخری مرحلہ تک دفتر ہی میں رہنا پڑتا تھا۔

عزت نے ایک آدھ بار اعتراض کیا کہ وہ دفتری اوقات کے بعد نہیں رہے گی ——— اعتراض کام کی زیادتی پر نہیں تھا بلکہ اس بات پر تھا کہ اندھیرا ہونے کے بعد وہ تنہا رکشہ یا ٹیکسی میں بیٹھ کر اپنے گھر نہیں جا سکتی تھی۔ گھر بھی دنیا کے آخری سرے پر تھا۔ دفتر سے پچیس میل دور تھا۔ راستے میں کچھ ایسے ویران مقامات بھی آتے تھے، جہاں سے گزرتے وقت کلیجہ ہول جاتا تھا خصوصاً اس وقت جب مہینہ بھر کی تنخواہ اس کے وینیٹی بیگ میں موجود ہوتی ——— جان کا خطرہ، مال کا خطرہ اور عزت کا بھی خطرہ ——— کوئی کیا جانے کہ ایک مدیرہ کتنے خطرات سے گزر

ایک خوب صورت جریدہ کی تخلیق کرتی ہے۔

آٹھویں شمارے کے آخری مرحلہ پر پھر اس نے اعتراض کیا ———۔ نواز صاحب اور صفدر صاحب نے سمجھایا کہ کام زیادہ نہیں ہے۔ اندھیرا ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا۔

سمجھانے کو تو انہوں نے سمجھا ہی لیا تھا۔ لیکن اپنی مصروفیتوں اور اُلجھنوں میں یہ بھول گئے کہ سردی کا موسم ہے۔ پانچ بجتے ہی اندھیرا پھیل جاتا ہے۔ عورت کے سنگار میں اتنا وقت نہیں لگتا۔ جتنا کہ پرچہ کی آرائش میں لگ جاتا ہے۔ آرائش مکمل ہوئی تو رات کے نو بج گئے تھے۔

"میں اتنی رات کو تنہا کیسے جاؤں ———؟" عزت آرا نے پریشان ہو کر کہا۔

نواز صاحب نے کہا۔

"میری کار میں صدر تک چلیئے۔ وہاں سے آپ کو ٹیکسی مل جائیگی۔"

"کیا ٹیکسی میں تنہائی نہیں ہو گی۔" صفدر صاحب نے کہا "آپ بھی عجیب ہیں نواز صاحب ——— ٹیکسی تو کہیں بھی مل سکتی ہے آپ عزت صاحبہ کی پریشانیوں کو سمجھیں۔ وہ اتنی رات کو تنہا سفر نہیں کر سکتیں دفتری کاموں کی وجہ سے انہیں دیر ہو گئی ہے۔ اب یہ آپ کا فرض ہے کہ آپ انہیں گھر تک پہنچا کر آئیں۔"

"میں ——— ؟" انہوں نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

ان کی نظریں بے اختیار عزت آرا کی جانب اٹھیں، عزت آرا نے فوراً ہی نظروں کے درمیان پلکوں کی چلمن ڈال دی۔

"جی ہاں آپ ——— !" صفدر صاحب نے کہا ——— "ہم سب ایک دوسرے کے لئے اجنبی نہیں ہیں، ہم سب ایک خاندان ——— ماہنامہ "عزت" کے خاندان کے افراد ہیں، ہمیں ایک دوسرے پر اعتماد ہے اگر اعتماد نہیں ہے تو بے شک آپ انہیں گھر تک پہنچانے سے انکار کر سکتے ہیں۔"

عزت آرا نے کہا۔

"صفدر صاحب ——— آپ کی ہمدردی کا شکریہ ——— میں جبراً کسی کا احسان نہیں لینا چاہتی۔"

صفدر صاحب نے مسکرا کر کہا۔

"جبر تو اس وقت ہوگا جب نواز صاحب انکار کریں اور میں انہیں مجبور کروں ——— بھئی مجھے جو کہنا تھا، وہ کہہ چکا ہوں، اب آپ دونوں جو مناسب سمجھیں، وہی فیصلہ کریں . . . ."

یہ کہہ کر انہوں نے پریس میں جانے والی کاپیوں کو اٹھایا اور دفتر سے باہر چلے گئے۔

عزت آرا اور نواز احمد درانی تھوڑی دیر تک تنہا اور خاموش رہے پھر نواز صاحب نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"صفدر صاحب نے اعتماد والی بات کہی ہے، میں اپنے ادارے میں بے اعتمادی کی فضا پیدا نہیں کرنا چاہتا اور نہ ہی آپ پر احسان کرنا چاہتا ہوں، یہ میرا فرض ہے، اس لئے میں آپ کو گھر تک پہنچا کر آؤں گا ——— آیئے ——— !"

وہ آگے بڑھ کر دفتر سے باہر جانے لگے۔

عزت آرا کو طیش آگیا۔ کیسی بے نیازی دکھا گئے تھے۔ کبھی مسکرا کر باتیں کرنا جانتے ہی نہیں تھے۔ اگر صفدر صاحب ایک دوسرے کو اعتماد قائم رکھنے پر نہ اکساتے تو شاید انہیں اپنا فرض بھی یاد نہ آتا ——— وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھانے لگی۔ اس وقت وہ بہت مجبور تھی، نہ دفتر میں رات گزار سکتی تھی اور نہ ہی کسی ٹیکسی ڈرائیور پر اعتماد کر سکتی تھی ——— نواز صاحب کی بات کچھ اور تھی۔ ان سے لاکھ شکایتیں سہی، مگر اس وقت وہی ایک قابل اعتماد آدمی تھے ——— شریف آدمی کی یہی پہچان ہے دشمن نظر آنے کے باوجود اپنا اپنا سا لگتا ہے۔

وہ بوجھل قدموں سے چلتی ہوئی دفتر کی عمارت سے باہر آئی۔ ارادہ یہی تھا کہ چپ چاپ پچھلی سیٹ پر جا کر بیٹھ جائے گی اور ایک اجنبی

کی طرح پچیس میل کا سفر طے کرے گی۔ لیکن کار کے قریب آکر پتہ چلا، کہ پچھلی سیٹ پیک اَپ ہو چکی ہے۔

صفدر صاحب، سرکولیشن منیجر اور ہیڈ کاتب وہاں پہلے سے ہی براجمان تھے۔ نواز صاحب ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ عزت آرا کو دیکھ کر انہوں نے اگلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔

عزت آرا کا غصہ ذرا سا ڈھل گیا ——— اس لئے نہیں کہ انہوں نے اپنے ساتھ والی سیٹ آفر کی تھی۔ بلکہ اس لئے کہ انہوں نے ایٹی کیٹ کا خیال رکھتے ہوئے اس کے لئے دروازہ کھولا تھا ——— وہ ایک طرف سمٹ کر بیٹھ گئی اور دروازے کو بند کر دیا۔

صفدر صاحب ڈان پریس کے سامنے اتر گئے۔ سرکولیشن منیجر اور ہیڈ کاتب، صدر تک آکر رخصت ہو گئے۔ کیونکہ انہیں دوسرے روٹ پر جانا تھا۔ ڈرگ کالونی جانے کے لئے دو تنہا مسافر رہ گئے۔

وہ دونوں خاموش تھے۔

وہ ندی کے دو کناروں کی طرح ایک ہی سیٹ کے دو سرے پر دور دور بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان کار کے انجن کی بہت ہی مدہم سی آواز گنگنا رہی تھی۔ کوئٹہ کی برفانی ہوا سے بچنے کے لئے کھڑکیوں کے شیشے چڑھا دیئے گئے تھے۔

وہ کار نہیں تھی ——— بند کمرہ تھا ——— شیشوں کے قفس میں بھینی بھینی خوشبو جاگ رہی تھی۔ نواز صاحب سینٹ لگانے کے عادی تھے ——— جیسے ریگستان کے بنجر سینے میں اچانک کہیں نخلستان نظر آجاتے ہیں۔ اسی طرح نواز صاحب کے روکھے پھیکے وجود سے زندگی کی خوشبو مہک رہی تھی۔

خاموشی سے کیا ہوتا ہے؟ ہزار خاموشی کے باوجود انسان خوشبو کی زبان سے بہت کچھ بول دیتا ہے۔

عزت آرا نے بڑے محتاط انداز میں آہستگی سے سانس کھینچی ——— مرکیو لنڈی کی گدگداتی ہوئی مہک اس کے حساس نتھنوں سے سرسراتی ہوئی سیدھی دل میں اتر گئی ——— پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے چوری پکڑی گئی ہے۔ وہ آپ ہی آپ بدن چرانے لگی۔ ذرا اور کھسک کر دروازے سے چپک گئی۔ ڈوپٹے کو ادھر اُدھر سے کھینچ تان کر یوں پردہ کرنے لگی۔ جیسے چرائی ہوئی خوشبو کو چھپا رہی ہو۔

چھپانے سے کیا ہوتا ہے ——— ؟ ہزار پردہ پوشی کے باوجود جھجکتے ہوئے جسم کی بے کلی اور اداؤں کی کھلتی ہوئی کلی رہ رہ کر چغلی کھاتی ہے

کار تیزی سے بھاگتی جا رہی تھی ——— دکانوں کی روشنیاں ان کے چہروں سے پھیلتی ہوئی گزر رہی تھیں اور کار کے اندرونی ماحول کو

اور زیادہ تاریک اور پُراسرار بنا رہی تھیں۔

عجیب خاموشی تھی ——— کوئی زبان سے نہیں پھوٹ رہا تھا۔

کیسے ضدی تھے ان کے پاس بات کرنے کے لئے کوئی بات ہی نہیں تھی۔

ارے کچھ خوشبو کی باتیں کرو ——— کچھ موسم کی باتیں کرو ——— اور کچھ نہیں تو ماہنامہ "عزت" کو ہی گفتگو کا موضوع بنا ڈالو ——— اب تو اس کی اشاعتی تعداد پچاس ہزار تک پہنچ گئی ہے ——— اگر پچاس ہزار تک گنتی نہیں آتی ہے تو کم از کم پچاس تک ہی ایک دوسرے کو گنتی سنا ڈالو۔

لعنت ہے ایسی خاموشی پر ——— ارے آدھے سے زیادہ سفر طے ہو چکا ہے

تنہائی کے خوب صورت لمحات ضائع ہو رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب سے پیدا ہوئے ہیں، اس وقت سے بولنا ہی نہیں سیکھا ہے۔

نواز صاحب نے بور ہو کر ریڈیو کا سوئچ آن کر دیا۔

ریڈیو سے کوئی ڈرامہ نشر ہو رہا تھا۔ سوئچ آن ہوتے ہی کسی مرد کی جذباتی آواز سنائی دی۔

"ہائے ——!"

عزت آرا نے چونک کر نواز صاحب کی جانب دیکھا۔ اسے ایسا ہی

محسوس ہوا تھا جیسے انہوں نے 'ہائے' کی ہے ——— مگر وہ خاموشی سے ڈرائیو کرتے ہوئے ونڈ اسکرین کے پار دیکھ رہے تھے۔

پھر کسی عورت کی آواز سنائی دی۔

"بڑی شرم کی بات ہے ایک اجنبی لڑکی کو تنہا دیکھ کر آہیں بھرتے ہو ——"

نواز صاحب نے چونک کر عزت آرا کی طرف دیکھا۔ وہ جلدی سے دوسری طرف دیکھنے لگی۔ نواز صاحب کو بھی خیال آ گیا کہ ابھی ابھی انہوں نے ریڈیو آن کیا تھا۔ اور وہ سریلی آواز وہیں سے نشر ہو رہی تھی۔

مرد کا شوخ شوخ لہجہ سنائی دیا۔

"ہم اجنبی نہیں ہیں۔ اس چھوٹے سے سفر میں ہمارے درمیان ہمسفر کا رشتہ ہے۔"

عورت نے کہا۔

"سفر کے رشتے ہمیشہ ٹوٹنے کے لئے بنتے ہیں . . . ."

کار کی رفتار سست ہونے لگی۔ نہ جانے کیا بات تھی۔ نواز صاحب تیز رفتاری بھول گئے۔ کار کی محدود فضا میں اس مرد کی آواز انہیں اپنی ہی آواز لگ رہی تھی۔

"تم دل توڑنے والی باتیں نہ کرو . . . ."

کاش کہ ایسا ہوتا۔
پیار کا میٹھا میٹھا سا۔
ایک درد تجھے تڑپاتا۔
کوئی کنوارا سپنا۔
تیری نشیلی آنکھوں میں۔
پیار بھری انگڑائی لیتا۔
اور قوس قزح کی وہ انگڑائی۔
اڑتے بادل کو چھو لیتی۔

عزت آرا کی سوچوں میں انگڑائیاں بھر گئیں۔ اس کا سر کھڑکی کے شیشے سے ٹک گیا۔ گھنی پلکیں خوابوں کے بوجھ سے جھکنے لگیں۔ کوئی میٹھا میٹھا سا درد تھا۔ جو گیت کی حرارت سے جاگ رہا تھا۔ کوئی کنوارا سپنا تھا۔ جو آنکھوں میں اتر آیا تھا ـــــ اس کی نگاہوں کے سامنے دور دور تک کھلا روشن آسمان تھا اور اس کے انگڑائی لیتے ہوئے ہاتھ سفید بادلوں کو چھو رہے تھے۔

کبھی وہ بادلوں سے گزر رہی تھی ـــــ کبھی زمین کی ہریالی پر ادھر ادھر دیوانہ وار بھٹک رہی تھی ـــــ پھر کسی نے اس کے لہراتے ہوئے آنچل کو تھام لیا۔

"کون ہو تم ـ؟"

اس نے پلٹ کر دیکھا تو کوئی نہ تھا۔

اس کا آنچل پھولوں کے ایک پودے سے اُلجھا ہوا تھا۔

وہ آنچل چھڑا کر پھر تتلی کی طرح اڑنے لگی۔

کھلی فضا میں کیسا نکھار تھا؟ ـــــ ہواؤں میں کیسی تازگی تھی؟۔ انگ انگ میں تڑپنے، مچلنے، بھاگنے اور رہ رہ کر ہوا میں اڑ جانے کو جی چاہتا تھا ـــــ جی تو چاہتا تھا مگر کسی نے پھر آنچل کو تھام لیا۔

"کون ہو تم ـ؟"

اس نے پلٹ کر دیکھا تو دل دھڑکنے لگا۔

نواز صاحب اس کے ڈوپٹے کا سرا تھامے کھڑے تھے اور مسکراتے ہوئے پیار بھری نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

ہائے ـــــ! وہ پتھر آخر پگھل ہی گیا۔ اس کا ہاتھ میرے آنچل تک پہنچ ہی گیا ـــــ کیسا مغرور تھا وہ ـــــ کبھی جھوٹے منہ بات بھی نہیں کرتا تھا ـــــ اب میری باری ہے۔ میں بھی بے رخی سے پیش آؤں گی۔

اس نے اپنے آنچل کو ایک جھٹکے سے چھڑا لیا۔

"تم کون ہوتے ہو میرے آنچل کو ہاتھ لگانے والے ـ؟"

ایسی بے رخی سے پیش نہ آؤ عزت ——— میں برسوں سے تمہارے خواب دیکھتا رہا ہوں، چپکے چپکے تم سے محبت کرتا رہا ہوں۔"

"اونہہ ——— !" وہ شانِ بے نیازی سے آگے بڑھ گئی۔ نواز صاحب ایک سائے کی طرح اس کے پیچھے چلنے لگے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ایک گہری کھائی کے کنارے پہنچ کر رک گئی۔

وہ اونچائی پر کھڑی تھی ——— اس کے سامنے اتنی گہری پستی تھی، کہ اسے دیکھتے ہی گر پڑنے کا خوف محسوس ہونے لگتا تھا۔

اس نے کہا،

"میں بلندی ہوں ——— تم پستی ہو ——— میرے خواب نہ دیکھو اپنی حماقت سے اونچا خواب دیکھنا حماقت ہے۔"

نواز صاحب نے کہا،

"خواب ہمیشہ اپنی حیثیت سے اونچے دیکھے جاتے ہیں ——— آج سے نہیں ——— بچپن سے میں نے تمہیں خوابوں میں دیکھا ہے۔ نانی اماں اور دادی اماں نے پریوں کی کہانیاں سنا کر میرے ذہن میں تمہاری ایک تصویر بنائی تھی ——— میں نے بکاؤلی کے پھول میں تمہارا چہرہ دیکھا ہے جب بھی کسی کہانی کے دربار میں تمہارا سوئمبر رچایا گیا، میں تمہیں جیت کر لے گیا۔ میں نے تمہارے لئے سامری جادوگر کے طلسم کو خاک میں ملایا ہے۔

میں تمہارے خواب کیسے نہ دیکھتا؟ ——— خواب مجھے دکھائے گئے ہیں۔ تمہارے لئے میرے دل میں ایک لگن، ایک تڑپ پیدا کی گئی ہے ——— آج خوابوں کی دہلیز پھلانگ کر تم میرے قریب آگئی ہو۔ میں تمہاری تمنا کیسے نہ کروں ——— ؟ تمہیں میرے خوابوں کا واسطہ ہے، میری محبت کو نہ ٹھکراؤ......"

عشق کی زبان جب حسن کی مداح سرائی کرتی ہے تو حسن ذرا اور مغرور ہوجاتا ہے۔

نواز صاحب التجائیں کر رہے تھے ——— محبت کی خیرات مانگ رہے تھے ——— حسن کو اس کی اہمیت کا احساس دلا رہے تھے اور وہ بھی محسوس کر رہی تھی کہ وہ ایک عورت ہے مگر ایک ٹھوس مجسم ہستی نہیں ہے۔ تخیل کی دلکشی ہے۔ ایک شعر کا دھڑکتا ہوا مفہوم ہے۔ ایک مغنی کی سحر انگیز آواز ہے جسے نواز صاحب سن سکتے ہیں۔ مگر کسی آنچل کی طرح پکڑ نہیں سکتے۔

اس نے ایک انداز دلربائی سے نواز صاحب کو دیکھا پھر کچھ کہے بغیر آگے بڑھ گئی ——— آگے گہری کھائی تھی۔ لیکن وہ گرنے کی بجائے فضاؤں میں معلق رہی اور ہوا کے سینے پر قدم رکھتی ہوئی دوسری پہاڑی کی طرف جانے لگی۔

"رک جاؤ ——— !" انہوں نے آواز دی ——— "مجھے بھی ساتھ

لے چلو . . . . . "

"پیار کے راستے پر انسان خود بخود چلتا ہے۔ کسی کا سہارا تلاش نہیں کرتا"
وہ آگے بڑھتی چلی گئی۔

دوسری پہاڑی پر پہنچنے کے بعد اس نے پلٹ کر دیکھا ـــــ جہاں سے وہ آئی تھی، وہاں اب دور دور تک نواز صاحب کا پتہ نہیں تھا۔ نہ جانے وہ کہاں چلے گئے تھے ـــــ اس کا دل ڈوبنے لگا۔ اس نے تو محض انہیں ستانے اور تڑپانے کے لئے ساتھ چھوڑا تھا۔ ذرا دیر کے لئے ان سے دور ہوگئی تھی۔ مگر وہ تو سچ مچ نظروں سے دور ہو گئے تھے۔

پھر اسے ایک مرد اور ایک عورت کا قہقہہ سنائی دیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو کلیجہ دھک سے رہ گیا ـــــ نواز صاحب ایک خوب صورت لڑکی کے ساتھ پھولوں کی سیج پر بیٹھے ہوئے تھے اور بڑی بے تکلفی سے اس کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔

وہ دوڑتی ہوئی ان کے قدموں کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

"نواز ـــــ ! میں تمہاری محبت ہوں ـــــ یہ کون لڑکی ہے؟
یہ تمہارے قریب کیوں آئی ہے؟"

"اب یہ میری محبت ہے ـــــ" نواز صاحب نے کہا ـــــ "ذ
زمانہ چلا گیا، جب انسان محبت میں ناکام ہو کر محمل لیلے کے پیچھے بھٹکتا تھا۔ یا

پھر غم غلط کرنے کے لئے شراب کا سہارا لیتا تھا۔ وہ لوگ احمق تھے، اپنی آئندہ نسل کے دشمن تھے۔ وہ سماجی زندگی گزارنا نہیں جانتے تھے۔ مگر میں جانتا ہوں مجھے ایک ہنستے بستے گھر کی ضرورت ہے۔ اچھی اولاد کی ضرورت ہے۔ اس لئے میں نے اس خوب صورت لڑکی سے شادی کر لی ہے . . . . ."

"نہیں نہیں، تم ایسا نہیں کر سکتے ـــــ میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ تمہارے گھر کی جنت میرے دم سے آباد ہوگی . . . . ."

"مجھے افسوس ہے ـــــ تم نے ایک سنہری موقعہ گنوا دیا ـــــ یاد رکھو ہر انسان کی زندگی میں کبھی نہ کبھی ایک بہترین موقعہ آتا ہے۔ جو اس موقعہ سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔ وہ زندگی بھر آنسو بہاتا رہتا ہے ـــــ تمہیں ماجدہ کا المیہ پسند تھا اس لئے ماجدہ کے آنسو تمہاری آنکھوں میں آگئے۔ اب ساری زندگی روتی رہو . . . . ."

اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔
وہ ہچکیاں لے لے کر رونے لگی۔

روشن کھلا ہوا آسمان نظروں سے اوجھل ہو گیا ـــــ چاروں طرف رات کی سیاہی پھیلتی چلی گئی۔ کوئٹہ کی برفانی ہوا کار کے شیشوں سے ٹکرا کر بین کر رہی تھی۔

اچانک عزت کو احساس ہوا کہ وہ ایک کار کی ملائم اور آرام دہ سیٹ

پر بیٹھی ہوئی ہے اور وہ کار ـــــ وہ کار ایک جگہ سڑک کے کنارے رکی ہوئی ہے۔

اس نے پریشان ہو کر نواز صاحب کی جانب دیکھا، وہ اسٹیئرنگ پر سر جھکائے خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بیٹھے بیٹھے کہیں کھو گئے ہوں۔

"آ ـــــ آپ نے گاڑی کیوں روک دی؟"

"آں ـــــ!" انہوں نے چونک کر اسے دیکھا، پھر پریشان ہو کر اپنے آس پاس کی اندھیری دنیا کو دیکھنے لگے۔

"کیا گاڑی خراب ہو گئی ہے؟" عزت نے پوچھا۔

"جی ـــــ جی نہیں ـــ"

انہوں نے جلدی سے کار اسٹارٹ کی ـــــ گاڑی میں کوئی خرابی نہیں تھی، پٹرول بھی ختم نہیں ہوا تھا، صرف دماغ تھک کر تھوڑی دیر کے لیے خوابوں کے گیراج میں بند ہو گیا تھا۔

کار تیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے رینگنے لگی ـــــ ڈرامہ ختم ہو گیا تھا۔ اب ساز و آواز کا پروگرام نشر ہو رہا تھا۔ عزت کھڑکی کی جانب منہ پھیر کر اپنی بھیگی ہوئی آنکھیں پونچھنے لگی۔

نواز صاحب نے پوچھنا چاہا ـــــ "کیا آپ کی آنکھوں میں آ

گئے تھے؟"

عزت آرا نے پوچھنا چاہا ـــــ "کیا آپ ڈرائیو کرنا بھول گئے تھے؟"

دونوں کے ذہن سے ابھرنے والے سوال ایسے تھے کہ دونوں پر ایک دوسرے کی کمزوری ظاہر ہو جاتی۔

کون اپنی کمزوری ظاہر کرنا پسند کرتا ہے؛ جہاں تک ہو سکے اس پر پردہ ڈالنے کی ہی کوششیں کی جاتی ہیں۔

نواز صاحب نے کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔

"بالکل بکواس ڈرامہ تھا. . . . ."

"جی ـــــ جی ہاں ـــــ بس یونہی سا تھا" ـــــ عزت نے بھی ہاں میں ہاں ملائی ـــــ اپنے ہمسفر کو ہم مزاج ہونے کا ثبوت دیا۔

نواز صاحب نے کہا۔

"اس ڈرامہ کا صرف ایک مکالمہ اچھا تھا۔"

"کون سا ـــــ؟"

"یہی کہ ہر انسان کی زندگی میں کبھی نہ کبھی ایک بہترین موقعہ آتا ہے جو اس موقعہ سے فائدہ نہیں اٹھاتا، وہ زندگی بھر آنسو بہاتا رہتا ہے۔"

عزت نے کن انکھیوں سے انہیں دیکھا۔ واقعی بہترین موقعہ کس طرح

ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ ابھی وہ ڈرامہ سنتے سنتے دل خون ہو رہا تھا۔

وہ ہولے سے بولی۔

"جی ہاں ـــــ وہ مکالمہ کسی حد تک ٹھیک ہی ہے۔"

"کسی حد تک کیا معنی ـــــ؟" انہوں نے پوچھا۔ "کیا اس میں کوئی قباحت ہے؟"

"جی ہاں ـــــ!" عزت نے جواب دیا ـــــ "بہترین موقعہ کو سمجھنا اور اسے پرکھنا بہت بڑی بات ہے جو پرکھنا نہیں جانتے ـــ وہ ایسے ویسے موقعہ کو بھی بہترین موقعہ سمجھ کر دھوکہ کھا جاتے ہیں۔"

"آپ بڑے تجربے کی بات کہہ رہی ہیں۔ اگر میرا سوال گراں نہ گزرے تو جواب دیجئے۔ کیا آپ نے کبھی دھوکہ کھایا ہے؟"

"کوئی ضروری نہیں ہے کہ دھوکہ کھانے کا ذاتی تجربہ ہو ـــــ دوسروں کی ٹھوکروں سے بہت کچھ سیکھا جا سکتا ہے ـــــ کچھ نہیں تو کہانیاں اور ڈرامے بہت کچھ سکھا دیتے ہیں ـــــ بائیں طرف موڑ لیجئے!"

انہوں نے کار کو بائیں طرف موڑتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی زندگی میں ابھی ایسا موقعہ نہیں آیا ہے جسے آپ "بہترین" کہہ سکیں؟"

وہ خاموش رہی ـــــ فوراً ہی جواب نہ دے سکی

نواز صاحب کے اس سوال سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اس کی نجی زندگی سے دلچسپی لے رہے ہیں۔

وہ ذرا توقف کے بعد آہستگی سے بولی۔

"نہیں ـــــ! آگے بھی بائیں طرف ٹرننگ ہے۔"

"آپ بائیں طرف بیٹھی ہیں۔ جتنی ٹرننگس ہیں۔ وہ بھی بائیں طرف آتی ہیں کیا آپ کا مکان بھی بائیں طرف ہے؟"

"جی ہاں ـــــ وہ دیکھئے سبز رنگ کا مکان ہے، سامنے لکڑی کا گیٹ ہے۔"

انہوں نے مکان کے سامنے گاڑی روک دی۔ پھر وہ کار سے نکل کر دوسری طرف سے گھومتے ہوئے عزت کے قریب آئے اور اس کے لئے دروازہ کھول دیا۔

"شکریہ ـــ!" وہ کار سے باہر آ گئی۔

دونوں چند ساعت تک ایک دوسرے کے سامنے کھڑے رہے۔ شاید کچھ کہنے کے لئے الفاظ تلاش کر رہے تھے۔ پھر نواز صاحب دروازہ بند کر کے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف جانے لگے۔

"سنیئے ـــــ!" عزت نے آہستگی سے پکارا۔

ان کے قدم رک گیا۔ وہ دو قدم آگے بڑھتی ہوئی بولی۔

"آپ نے مجھے یہاں تک پہنچانے کی زحمت اٹھائی ہے —— بقول آپ کے آپ نے اپنا فرض ادا کیا ہے میں بھی اپنا فرض ادا کرنا چاہتی ہوں۔ —— کیا آپ میرے ہاں ایک پیالی چائے پینا پسند کریں گے ؟"

انہوں نے کار کے اُس پار سے اِس پار عزت کو دیکھا —— نیم تاریکی —— تنہائی —— دعوت —— چائے کی کھنکتی ہوئی پیالی —— عزت کا مترنم لہجہ —— ایسے ہی موقعہ پر کچھ آگے بڑھنے سے، بات بھی آگے بڑھتی ہے —— کیا بہترین موقعہ اسی کو کہتے ہیں ۔؟

انہوں نے مجبوری کا اظہار کیا۔

"آپ جانتی ہیں کہ میں چائے وقت پر پیتا ہوں۔ اس وقت ساڑھے گیارہ ہوگئے ہیں۔ اگر میں نے چائے پی لی تو پھر نیند نہیں آئے گی۔ کبھی دن کے وقت یہاں سے گزر ہوا تو آپ کو تکلیف ضرور دوں گا۔"

وہ اپنی سیٹ پر بیٹھ گئے —— دروازہ بند کر کے انہوں نے کار اسٹارٹ کی اور اسے یوٹرن دیتے ہوئے واپس چلے گئے۔

اسی وقت پڑوس کے مکان سے کسی عورت کی آواز سنائی دی۔

"موٹر کی آواز ہے، نہ جانے کون آیا ہے۔"

جواب میں کسی مرد کی آواز سنائی دی۔

"آیا نہیں —— آئی ہے —— وہی نام کی عزت آرہی ہے۔ اب پھر وہی سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔ پھر وہی بڑی بڑی کاروں والے یہاں آنے لگے ہیں ۔"...

عزت نے گھور کر پڑوسی کے مکان کو دیکھا۔

اندھیرے میں وہ مکان بدنامی کی سیاہی طرح اس کے وجود پر حاوی ہوتا نظر آیا —— وہ جلدی سے قدم بڑھاتی ہوئی اپنے مکان میں داخل ہوگئی۔

شبنم کی حقیقت یہی ہے کہ وہ رات کی
آنکھ سے ٹپکا ہوا آنسو ہے —— یہ آنسو گھاس
پر بکھرے تو قدموں تلے روند دیا جاتا ہے اور پھول
کی پنکھڑی پر ٹپکے تو چوم لیا جاتا ہے۔

ساری رات شبنم کی ایک ایک بوند، کلی کی چھاتی
پر دھڑکتی ہے۔ تب کہیں پیار کا ایک پھول کھلتا ہے۔

شبنم بھی فرہاد کے سینہ میں پیار کی ایک ایک بوند ٹپکاتی رہی ——
بہت آہستہ آہستہ —— بڑی خاموشی سے چپکے چپکے اپنی باتوں سے،
اپنی نیک خصلتوں سے اور اپنی اپنی میٹھی میٹھی اداؤں سے فرہاد کے دل
میں اپنے لئے جگہ بناتی رہی۔

فرہاد بظاہر پتھر تھا مگر اس کا دل پتھر نہیں تھا۔ کچھ بھی ہو ایک مصنفہ
کا بھائی تھا —— نازک جذبات و احساسات کو اچھی طرح سمجھتا تھا،
لیکن ہمیشہ محتاط رہنے کا عادی تھا۔ خود کو اور اپنی بہن کو بدنامی سے بچانے

کے لئے وہ بہت ہی محتاط ہو کر شبنم سے ملتا تھا۔

وہ صبح شبنم کی کوٹھی میں آتا تھا اور شام تک کاروبار کے سلسلہ میں اس کے ساتھ مصروف رہتا تھا۔ پہلے پہل یہ بات اس کے مزاج پر گراں گزری کہ وہ مرد ہو کر ایک عورت کی دولت سے کاروبار کرے اور اس کا احسان اٹھائے۔

اس نے اشارتاً یہ بات شبنم سے بھی کہی۔

شبنم نے جواب دیا۔

"آپ اس مسئلہ کے ایک ہی پہلو پر غور کر رہے ہیں، آپ یہ سوچیں، کہ میں آپ کے لئے ایک بہت بڑی رقم خرچ کرکے احسان کر رہی ہوں — اگرچہ احسان ہے تو اس سے بڑا احسان آپ مجھ پر کریں گے، کاروبار میں میری خرچ کی ہوئی رقم کی حفاظت کریں گے۔ اسے دیانتداری سے استعمال کریں گے —— صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ میری اس رقم کو منافع کے ساتھ واپس کریں گے۔

آپ خود ہی سوچیئے کہ مجھ پر آپ کا کتنا بڑا احسان ہوگا۔ جو رقم یونہی بینک میں پڑی رہتی۔ اسے آپ اپنی محنت سے بڑھائیں گے۔ اصل چیز محنت ہے۔ اگر آپ محنت نہیں کریں گے تو میں بیٹھے بیٹھے اپنی ساری پونجی کھا جاؤں گی۔"

فرہاد نے کہا۔

"تم بھی کاروبار کے ایک پہلو پر غور کر رہی ہو۔ تمہیں یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ میں کاروبار کے معاملہ میں ناتجربہ کار ہوں۔ میری وجہ سے تمہاری رقم ضائع بھی ہو سکتی ہے۔"

"آپ کی وجہ سے کیوں —— ؟ کیا آپ جان بوجھ کر نقصان پہنچائیں گے —؟"

"نہیں —— میں تمہیں نقصان پہنچانے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"پھر تو اس کا مطلب یہی ہے کہ تقدیر میں اگر نقصان اٹھانا لکھا ہے تو ہم نقصان اٹھائیں گے ورنہ ہماری دیانتداری اور جدوجہد میں کمی نہیں آئے گی —"

فرہاد کے دل سے میل نکل گیا۔ اب غیرت کا سوال نہیں تھا — بلکہ دیانتداری کی آزمائش تھی کہ وہ کتنی ایمانداری سے، —— کتنی سوجھ بوجھ اور کتنی جدوجہد سے کاروبار میں لگائی ہوئی رقم کی حفاظت کر سکتا ہے۔ اور شبنم کو اس رقم کا منافع دے سکتا ہے۔

دوسری شام کو وہ شبنم کے ساتھ کار میں بیٹھ کر کسی کرنل صاحب کی کوٹھی کی طرف گیا۔ راستے میں اس نے پوچھا۔

"اتنے بڑے فوجی افسر سے تمہاری واقفیت کیسے ہوگئی ؟"

شبنم فوراً ہی جواب نہ دے سکی. خاموشی سے کار ڈرائیو کرتی رہی ۔ پھر اس نے کہا۔

"کرنل صاحب کے ایک بھانجے ہیں. جو کبھی مجھ سے دیوانوں کی طرح عشق کیا کرتے تھے . . . . ."

فرہاد کو یہ بات گراں گزری، اس نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

"اب تک تم نے کتنے عشق کئے ہیں ؟"

وہ خاموش رہی، شاید اپنے محبوب کی باتوں کے زہر کو پی رہی تھی۔

فرہاد نے سخت لہجے میں کہا۔

"تم مجھے ایسی جگہ لے جا رہی ہو. جہاں میں ندامت سے سر نہ اٹھا سکوں ۔ بہتر ہے کہ گاڑی یہاں روک دو ۔"

شبنم نے بڑے ہی ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔

"اس سے پہلے کہ آپ کا سر ندامت سے جھکے ——— میں اپنی جان دے دوں گی ——— آپ تھوڑی دیر کے لئے مجھ پر بھروسہ کر لیجئے. میں جہاں جا رہی ہوں. میرے ساتھ چلئے. اگر آپ کو میرا کوئی گھناؤنا روپ نظر آئے تو مجھ پر تھوک کر چلے آیئے گا . . . . ."

فرہاد خاموش ہو گیا۔

اس نے دل ہی دل میں سوچا کہ چلو زندگی میں یہ تجربہ بھی سہی، ایک

بدنام عورت کے ساتھ رہ کر یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ وہ اپنی بدنامی کے داغ کس طرح دھوتی ہے۔

کرنل صاحب کی کوٹھی میں پہنچ کر اس نے اپنی آمد کی اطلاع بھجوائی کوٹھی کے مین گیٹ پر مسلح فوجی جوان پہرہ دے رہے تھے۔ ایرے غیرے کو وہاں قدم رکھنے کی اجازت نہیں تھی، لیکن شبنم کی اطلاع پہنچتے ہی اسے اور فرہاد کو اندر بلا لیا گیا۔

یہ بہت اونچی بات تھی کہ اتنی اونچی جگہ شبنم کی پہنچ تھی. لیکن فرہاد متاثر نہ ہوا ——— اس نے دل میں سوچا کہ بہت سے فوجی افسر عیاش ہوتے ہیں. اس لئے شبنم جیسی جوان اور حسین عورتیں. آسانی سے وہاں تک رسائی حاصل کر لیتی ہیں۔

وہ دونوں ڈرائینگ روم میں جا کر بیٹھ گئے۔ کرنل صاحب ایک معمر اور باوقار شخصیت کے مالک تھے، انہوں نے آتے ہی بڑی محبت سے شبنم کو مخاطب کیا۔

"ہیلو گڑیا ——— ! آج کیسے آ گئیں ؟"

شبنم نے مسکرا کر کہا۔

"آپ کی نصیحتوں پر عمل کرنے آئی ہوں۔ یہ مسٹر فرہاد الزماں ہیں. آپ کی نصیحتوں پر عمل کرنے سے پہلے میں ان کا اعتماد حاصل کرنا چاہتی ہوں۔"

کرنل صاحب نے فرہاد سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"تشریف رکھئیے۔"

پھر انہوں نے شبنم سے پوچھا۔

"کیا تم نے فرہاد صاحب کو کچھ نہیں بتایا ہے؟"

شبنم نے جواب دیا۔

"صرف اتنا بتایا ہے کہ میں ان کے ساتھ کاروبار کرنا چاہتی ہوں۔"

انہوں نے صوفہ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"فرہاد صاحب! ——— شبنم کی حقیقت یہی ہے کہ وہ رات کی آ سے ٹپکا ہوا آنسو ہے۔ یہ آنسو گھاس پر بکھرے تو قدموں تلے روند دیا جا ہے اور پھول کی پنکھڑیوں پر ٹپکے تو چوم لیا جاتا ہے۔

یہ شبنم جو آپ کے سامنے بیٹھی ہے، اس کا ماضی بہت تاریک ہے اتنا تاریک جیسے کالی رات ہوتی ہے۔ یہ اسی رات کی آنکھ سے ٹپکا ہوا آنسو ہے۔ ہماری دانش مندی یہی ہے کہ ہم اس کے ماضی کو کریدنے بجائے آنسو کے اس صاف وشفاف قطرے کی قدر کریں۔

یہ اب سے چار ماہ پہلے کی بات ہے ایک روز شبنم میرے پاس آئی اور اس نے مجھے بتایا کہ میرے ایک بھانجے صاحب اس سے عش کرنے لگے ہیں۔ اس نے اپنے متعلق بھی جھوٹ نہیں کہا، صاف صاف

دیا کہ یہ ایک بھٹکی ہوئی عورت ہے۔ لیکن اب اس نے توبہ کر لی ہے، اور شریف عورتوں کی طرح زندگی گزارنا چاہتی ہے۔ اس نے اپنے دروازے پر آنے والوں سے ہمیشہ کے لئے ناطہ توڑ دیا ہے۔

میرے بھانجے کو بھی اس نے صاف صاف جواب دیدیا تھا۔ لیکن وہ زبردستی پر اُتر آیا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ شبنم اس کے لئے کھلونا بنی رہے۔

اس کی داستان سن کر میرا سر ندامت سے جھک گیا۔ یہ ہمارے لئے کتنے شرم کی بات ہے کہ ایک بھٹکی ہوئی عورت راہ راست پر آنا چاہتی ہے۔ اور ہمارے شریف خاندان کے نوجوان اسے شریفانہ زندگی گزارنے کا موقعہ نہیں دیتے۔

میں ایک بہت بڑا فوجی افسر ہوں۔ میں اپنے بھانجے کی برائیوں پر پردہ ڈال سکتا تھا اور شبنم کو ایک بدکار عورت کہہ کر اسے یہاں سے دھکے دے کر نکلوا سکتا تھا۔ کوئی میرا کیا بگاڑ لیتا۔ میں جو بھی کرتا۔ لوگ اسے درست ہی سمجھتے، کیونکہ بڑے لوگ اور اعلیٰ افسران جو کرتے ہیں، وہی اس معاشرے کا قانون بن جاتا ہے۔

لیکن میں قانون کا چہرہ نہیں بگاڑنا چاہتا تھا۔ میں نے شبنم کے سامنے اپنے بھانجے کو بلا کر اسے سخت سزائیں دیں۔ اس نے توبہ کی اور

وعدہ کیا کہ آئندہ کبھی شبنم کو پریشان نہیں کرے گا۔

لیکن کسی ایک شخص کو سزا دینے سے شبنم محفوظ نہیں رہ سکتی تھی
یہ ایک عورت ہے۔ بہت سے خودغرض لوگ اس کی کمزوریوں سے ف
اٹھا کر اسے پھر گھناؤنی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیتے —— میں نے ا
سمجھایا کہ یہ تنہا ایک شریف عورت کی طرح زندگی نہیں گزار سکتی۔ اس ج
عورت کو ایک مضبوط اور بلند حوصلہ مرد کے سہارے کی ضرورت ہے
اس مرد کی پناہ میں دیکھ کر پھر کوئی اس کے قریب آنے کی جرأت نہ
کرے گا۔

دو ماہ کے بعد یہ پھر میرے پاس آئی۔ اس نے کہا کہ یہ کسی کی ع
بن کر نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ سب اسے گناہگار کی نظروں سے دیکھتے ہیں
یہ بھی کسی پر بھروسہ نہیں کر سکتی۔ کیونکہ پہلی ملاقات میں لوگ اپنی محبت
یقین دلاتے ہیں اس سے ہمدردی ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن جب شادی کا
آتا ہے تو نظریں چرا کر چلے جاتے ہیں۔

اس معاشرے میں ایک بار عورت پر داغ لگ جاتا ہے تو لوگ
مٹانے کی بجائے بڑھانے کی کوششیں کرتے ہیں۔ وہ ایک ٹوٹی ہوا
کو جوڑ کر ثابت و سالم بنا لیتے ہیں مگر ٹوٹی ہوئی عورت پر یقین نہیں
کہ وہ صحیح معنوں میں پارسا بن سکتی ہے۔

عورت کے لئے مثال دی جاتی ہے کہ وہ ایک شیشہ ہے ٹوٹ جائے تو
جوڑا نہیں جا سکتا۔ جوڑ دیا جائے تو اس میں بال آجاتا ہے۔ میں پوچھتا ہوں،
کہ عورت کے لئے شیشہ کی مثال کیوں دی جاتی ہے۔ مرد کے لئے بھی یہ
مثال کیوں نہیں دی جاتی۔ دونوں ہی انسان ہیں۔ دونوں کا کیریکٹر ہوتا ہے
پھر مرد برائی کر کے شیشہ کی طرح کیوں نہیں ٹوٹتا —— ؟ بہت سے مرد
ہیں جو برائی سے توبہ کر کے نیکی کی زندگی گزارتے ہیں۔ پھر عورت کی توبہ کیوں
نہیں قبول ہوتی —— ؟ کیوں اس کے ماضی کو کرید کر اسے بدنام کیا
جاتا ہے —؟

نہیں —— نہ مرد شیشہ ہے، نہ عورت شیشہ ہے اس دنیا کی
غلاظتوں سے گزر کر اور اس زندگی کی آگ میں جل کر جو کندن بن جائے،
وہی سچا انسان ہے اتنے تجربات کے بعد پھر گناہ اسے نہیں بہکاتا۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض مرد اور بعض عورتیں توبہ کے بعد بھی بہک
جاتی ہیں۔ لیکن سب نہیں بہکتے —— شبنم آزمائشی دور سے گزر رہی
ہے۔ یہ توبہ کے بعد بھی بہکے گی یا نہیں —— ہم اس کی سچائی کو اس
وقت تک نہیں سمجھ سکتے، جب تک کہ اسے آزمانے کی کوشش نہ
کریں۔

لیکن افسوس کہ کسی نے آزمانے کی کوشش بھی نہیں کی۔ یہ مایوس ہو کر

میرے پاس آئی اور مجھ سے کہا کہ اس نے شادی کا خیال ترک کر دیا ہے اور اس نے فیصلہ کیا ہے کہ یہ کسی لائف پارٹنر کا سہارا لینے کی بجائے کسی ایما بزنس پارٹنر کا سہارا لے گی ــــــ بزنس کے سلسلہ میں بھی ایک مرد ہ اس کے ساتھ رہے گا، وہ بیوی سمجھ کر نہیں تو کم از کم بزنس پارٹنر ہی سمجھ اس کی حفاظت کرتا رہے گا۔

میں نے اس کے فیصلہ کی تائید کی، میں چاہتا تھا کہ جلد از جلد یہ کر مرد کی پناہ میں آ جائے ــــــ میں نے اسے کہا کہ ٹھیک ہے، یہ ایماندار شخص کا انتخاب کرے اور میرے پاس آئے، میں کاروبار کے ر میں اس کی مدد کروں گا۔

اور مسٹر فرہاد ــــــ! شبنم نے جس انداز میں آپ کا تعارف کرا ہے اس سے میں سمجھ گیا ہوں کہ یہ آپ کو اپنا بزنس پارٹنر بنانا چاہتی ہے آپ شاید اس پر پوری طرح اعتماد نہیں کرتے ہیں۔"

فرہاد صوفہ پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور بولا۔

"جی ہاں ــــــ پہلے اعتماد نہیں تھا، ہم انسان کے ماضی کو دیکھ اس کی موجودہ زندگی کے متعلق اپنی رائے قائم کرتے ہیں۔ آپ کی گفت کی روشنی میں آج میں نے یہ سیکھا ہے کہ انسان محض اپنے ماضی سے نہیں توبہ سے بھی پہچانا جاتا ہے۔ ایک توبہ سے اس کی زندگی کا سارا نقشہ ہ

سکتا ہے بشرطیکہ ہم اسے راہ راست پر چلنے کا موقعہ دے کر آزمانے کی کوشش کریں۔

آپ مجھ سے زیادہ تجربہ کار اور زمانہ شناس ہیں، آپ کی باتیں دل کو لگتی ہیں ــــــ شبنم کی طرح میں بھی آپ کی نصیحتوں پر عمل کرنا چاہتا ہوں، میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ جو کہیں گے، میں اس پر پوری طرح عمل کروں گا۔"

کرنل صاحب نے خوش ہو کر کہا۔

"آپ ذہین بھی ہیں اور سعادت مند بھی ــــــ میں شبنم کے انتخاب پر بہت خوش ہوں ــــــ فی الحال آپ سے یہی چاہتا ہوں کہ آپ شبنم پر اعتماد کریں، اگر اس سے کبھی کوئی شکایت پیدا ہو جائے، یا اس کے متعلق آپ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں تو آپ مجھ سے ملاقات کریں، کیونکہ تم دونوں جوان ہو۔ تم دونوں جذباتی انداز میں غلط فیصلے کر سکتے ہو، لیکن میرا بڑھاپا سوچنے سمجھنے کا عادی ہے، میں تم لوگوں کے درمیان پیدا ہونے والی غلط فہمی کی وجوہات کو سمجھ لوں گا اور انہی کے مطابق فیصلہ کروں گا۔"

فرہاد نے سر جھکا کر کہا۔

"جی بہت اچھا ــــــ میں آپ کے مشوروں پر عمل کروں گا۔"

"ویری گڈ ——— !اب کل سے اپنے کاروبار پر توجہ دیجئے ——— آ
ایک مُجس ایجنٹ کی حیثیت سے باقاعدہ لیٹر ہیڈ وغیرہ چھپوایئے اور مہ
پاس آیئے، میں آپ کو ملٹری لائبریری میں کتابیں اور رسالے سپلائی کر
کے لیئے آرڈر دوں گا، اگر آپ نے یہ کام بخوبی انجام دیا تو آئندہ آپ
اسپورٹس گڈس بھی سپلائی کرنے کا مستقل ٹھیکہ مل جائے گا۔"

اسی وقت چائے آگئی، شبنم نے چائے بناتے ہوئے کہا

"انکل ——— !میں آپ کا احسان زندگی بھر نہیں بھول سکتی۔ ا
آپ نہ ہوتے تو میں ساری زندگی بھٹکتی ہی رہ جاتی۔"

انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"جب تم مجھے انکل کہتی ہو تو پھر احسان کس بات کا ——— کیا بزر
اپنے بچوں پر احسان کرتے ہیں ——— ؟نہیں، احسان نہیں کرتے بلکہ
کی زندگی سنوارنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

فرہاد نے کہا۔

"میں آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں ضرور ——— کہیئے؟"

"آپ مجھے آپ نہ کہیں، تم سے مخاطب کریں، میں بھی آپ کا
ہوں۔"

کرنل صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اچھی بات ہے ——— چلو تم بھی میرے بچوں کی فہرست میں شامل ہو گئے ہو۔"

شبنم مسکرا کر چور نظروں سے فرہاد کو دیکھتی رہی۔ کرنل صاحب کی شخصیت سے متاثر ہو کر فرہاد اس پر اعتماد کرنے لگا تھا۔ آج اسے کتنی بڑی خوشی نصیب ہوئی تھی، یہ اس کا دل ہی جانتا تھا۔ جی چاہتا تھا کہ ابھی بیٹھے بیٹھے آزاد پنچھی کی طرح کھُلی فضاؤں میں اڑنے لگے اور دل کی گہرائیوں سے قہقہے لگانے لگے۔

چائے پینے کے بعد وہ کرنل صاحب سے رخصت ہو کر باہر آئے۔

باہر رات کی تاریکی پھیل چکی تھی۔ پورچ کے آس پاس گملوں میں پھول مہک رہے تھے۔ فرہاد کے شانہ بشانہ چلتی ہوئی شبنم بھی ایک پھول کی طرح کھلی ہوئی تھی۔ کرنل صاحب کی کوٹھی سے نکلتے وقت فرہاد کو احساس ہوا کہ شبنم واقعی ایک پھول ہے جسے طوفانی ہواؤں سے محفوظ رکھنے کی ذمہ داری اس نے کرنل صاحب کے سامنے قبول کی ہے۔

اس نے پہلی بار چور نظروں سے شبنم کو دیکھا ——— یوں تو تمام دن ہی دیکھتا رہا تھا۔ لیکن اب اس کے دیکھنے کے انداز میں نیا پن آگیا تھا۔

جب نگاہیں نئی نویلی ہو جائیں تو جلوہ بھی نئی حشر سامانیوں کے ساتھ دل میں اتر جاتا ہے۔

شبنم کے اُجلے شفاف چہرے پر سو کینڈل پاور کی روشنی اس طرح جھلملا رہی تھی جیسے شبنم کے قطرے پر سورج کی پہلی کرن اترا رہی ہو ——

اس کے صحت مند جسم پر ململ کی ساڑھی ایسے چپکی ہوئی تھی، جیسے لوہا، مقناطیس سے چپک کر رہ جاتا ہے۔ ململ کے پیچھے سے اس کے پیٹ کی چکنی سطح اور بلاؤز کا مغرور ابھار ایسے جھلک رہا تھا جیسے شراب شیشہ کے ساغر سے اشارے کے انداز میں جھلکتی ہے۔ فرہاد کو ذرا سی دیر میں کتنی ہی حسین اور رنگین مثالیں یاد آگئیں۔

زندگی میں پہلی بار کسی عورت کے متعلق اس نے اتنی مثالیں یاد کیں —— دل کا میل اتر جائے۔ ذہن کی گرہیں کھل جائیں —— راس آجائے —— چاند طلوع ہو جائے اور چاندنی مجسم ہو کر شبنم کا جسم سراپا اختیار کرلے تو شاعری الہام کی طرح دل پر دستک دیتی ہے لیکن وہ شاعری کو زبان پر نہ لا سکا۔

ابھی ابتدا تھی۔

دل کی دھڑکنوں کو آنکھیں بند کر کے تسلیم کر لینا گوارا نہیں تھا۔

ابھی تو آزمائش دور شروع ہوا تھا۔

دیکھنا یہ تھا کہ شبنم راستی کے سفر میں کہاں تک ثابت قدم رہتی ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ وہ شبنم کی تمام بدنامیوں کے باوجود اس سفر میں کہاں تک اس کا ساتھ دے سکتا ہے۔

ایک عورت کی ذمہ داری کم تھی۔ اسے صرف اپنے نیک ارادوں پر اٹل رہنا تھا۔

ایک مرد کی ذمہ داریاں زیادہ تھیں۔ کیونکہ اسے ایک عورت کے ماضی پر ہمیشہ کے لئے پردہ ڈالنا تھا اور آئندہ اسے دوسروں کی غلیظ نگاہوں سے بچ کر رہنے میں اس کی مدد کرنا اور ہر حال میں اس کی حفاظت کرنا تھا۔

وہ دونوں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے کار کے قریب آگئے۔

شبنم نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے کے لئے کار کا دروازہ کھولا، اس کا ایک ہاتھ دروازے پر تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنی سیٹ کی جانب بڑھتی۔ فرہاد نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

اچانک شبنم کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ یہ پہلا موقعہ تھا۔ کہ ان کے ہاتھ ایک دوسرے کو چھو رہے تھے۔ اور سب سے حسین بات یہ تھی۔

کہ فرہاد نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تھا۔ فرطِ مسرت سے شبنم کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔

پلکیں حیا سے جھکنے لگیں۔

فرہاد نے آہستگی سے کہا۔

"میں کار ڈرائیو کروں گا، تم اس طرف بیٹھو۔"

"آپ ـــــ آپ ڈرائیو کرنا جانتے ہیں؟"

"ہاں ـــــ بیروزگاری کے زمانہ میں میرے ایک ٹیکسی ڈرائیور دوست نے سکھا دیا تھا کہ بھوکے مرنے کی نوبت نہ آئے، اگر روزگار کا یہ ذریعہ نہ ملتا تو میں بھی ٹیکسی ڈرائیور بن جاتا۔"

اس نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر سے ہٹا لیا۔ وہ مسکراتی ہوئی ڈرائیونگ سیٹ کے پاس والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

وہ کار اسٹارٹ کر کے مین گیٹ سے باہر آیا تو شبنم نے پوچھا۔

"یہاں آتے وقت آپ نے ڈرائیو کیوں نہیں کیا؟"

اس نے ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس وقت مجھے یقین نہیں تھا کہ ہم دونوں واقعی ایک ہی راستے کے مسافر بن سکیں گے۔ میں نے کرنل صاحب سے وعدہ کیا ہے کہ میں تم پر اعتماد کروں گا اور میں اعتماد کر رہا ہوں۔ اب تم میری موجودگی میں

وہ کام نہ کرنا جو ایک مرد کو کرنا چاہیئے ـــــ اسی لئے میں ڈرائیو کر رہا ہوں۔"

شبنم نے بڑی مسرت سے اور بڑی احسان مندی سے اسکی جانب دیکھا تو آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ایک مرد نے اس کی ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں اسے رونا نہیں چاہیئے تھا، مگر یہ آنسو موقع محل نہیں دیکھتے۔ خوشی کے موقعوں پر بھی چھلک پڑتے ہیں۔

اور وہ ایسی بن جائے ـــــ ایسی
بن جائے کہ یہ کوٹھی چھوڑنے کے لئے تو کیا اگر وہ
دنیا چھوڑنے کے لئے کہے تو وہ اس دنیا سے
چلی جائے۔

شبنم کی دنیا ہی بدل گئی۔

فرہاد اس کا جیون ساتھی نہیں تھا۔ لیکن تمام دن ایسا ساتھ رہتا تھا۔
جیسے جنم جنم کا ساتھ ہو۔

ساتھ ہونے کے باوجود دونوں کے درمیان تکلفات کی دیوار تھی۔
ایک انجانا سا فاصلہ تھا۔ کاروباری دوستی تھی۔ لیکن بے تکلفی نہیں تھی۔
محبت کی ڈھکی چھپی کمزوریاں تھیں۔ لیکن محبت کا کھلا اظہار نہیں تھا۔
وہ دونوں حقیقی زندگی کے قریب آکر بناوٹی زندگی گزار رہے تھے۔

شبنم کی یہی جستجو تھی کہ فرہاد کو کون سی چیز پسند ہے اور کون سی
ناپسند ہے، وہ رفتہ رفتہ اس کی پسند کے مطابق ڈھلتی جا رہی تھی۔ اب

اس نے بے پردگی چھوڑ دی تھی اور برقعہ پہن کر فرہاد کے ساتھ باہر نکلتی تھی، حالانکہ فرہاد نے اسے برقعہ پہننے کے لئے نہیں کہا تھا، لیکن وہ نہیں چاہتی تھی کہ پرانے جاننے والوں میں سے کوئی اسے پہچان کر گفتگو کرے۔ اور یہ بات فرہاد کو ناگوار گزرے۔

اسے باہر کی دنیا سے اب کچھ نہیں لینا تھا۔ بس ایک فرہاد تھا۔ جس کے سامنے وہ اپنے حسن و جمال کی رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہونا چاہتی تھی، اور کوئی تمنا اس کے دل میں نہیں تھی، اسی لئے اس نے خود کو برقعہ کی چار دیواری میں چھپا لیا تھا۔ کاروبار کے سلسلہ میں اگر کوئی ملنے آتا، تو وہ کسی کے سامنے نہیں جاتی تھی۔ فرہاد ہی سب سے نمٹ لیا کرتا تھا۔

دن بڑے اعتماد سے گزر رہے تھے۔

فرہاد آرڈرز کے مطابق ملٹری لائبریری میں کتابیں سپلائی کر رہا تھا۔ دو ماہ کے دوران اس نے چالیس ہزار روپے کی کتابیں اور رسالے سپلائی کئے اور پندرہ ہزار کا منافع حاصل کیا ——— یہ کاروبار ایسا تھا کہ نقصان کا خدشہ ہی نہیں تھا۔ کرنل صاحب کی وجہ سے دوسرے افسران سے بھی اچھے تعلقات ہو گئے تھے۔ فوری طور پر بلوں کی ادائیگی ہو جاتی تھی۔ تیسرے مہینے اسپورٹس گڈز سپلائی کرنے کا آرڈر بھی مل گیا۔

رفتہ رفتہ ایک کنٹریکٹر کی حیثیت سے اس کی ساکھ قائم ہو رہی

تھی، بزنس پارٹنر کی حیثیت سے منافع میں دونوں کا برابر حصہ تھا۔ اس لئے فرہاد کے دن پھر گئے تھے ——— عمدہ لباس میں اس کی شخصیت اور زیادہ نکھر گئی تھی۔ اس نے عزت آرا سے کئی بار کہا کہ اب اسے ملازمت نہیں کرنا چاہیئے لیکن وہ راضی نہ ہوئی، جہاں عزت ہو ——— پیسہ ہو اور کسی سے کوئی شکایت نہ ہو تو پھر لگی ہوئی روزی کو ٹھکرانے سے کیا فائدہ —؟ یہ تو سراسر نادانی ہے ——— بہن کی ضد دیکھ کر فرہاد خاموش ہو گیا۔

ویسے ماں اور بہن دونوں ہی شبنم سے ملنے کے لئے اصرار کر رہی تھیں فرہاد کو شبنم سے اب کوئی شکایت نہیں تھی۔ لیکن وہ اس حد تک بے تکلف نہیں ہونا چاہتا تھا کہ اپنے گھر والوں سے بھی اس کے تعلقات پیدا ہو جائیں نہ جانے اس کے دل میں کیسی کھٹک تھی یا پھر وہ اب تک فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ زندگی کے اس سفر میں وہ شبنم کے ساتھ کتنی دور تک جا سکے گا۔

اس نے کاروباری مصروفیات کا بہانہ کر کے ماں اور بہن کو ٹال دیا کہ پھر کسی دن شبنم سے ملاقات کراؤں گا۔

ایک صبح وہ شبنم کی کوٹھی میں پہنچا تو پورچ میں کسی کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ کوئی شخص برآمدے میں کھڑا ہوا ملازمہ سے باتیں کر رہا تھا۔

ملازمہ نے فرہاد کو دیکھتے ہی کہا،

"صاحب جی ——— ! بی بی جی ان سے ملنا نہیں چاہتی ہیں، لیکن

یہ زبردستی کوٹھی کے اندر آنا چاہتے ہیں۔"

فرہاد نے اجنبی سے پوچھا۔

"آپ کون ہیں جناب ــ ؟"

"میرا نام برکت علی ہے۔ یہ کوٹھی میری ہے۔ میں جب چاہوں' یہاں آسکتا ہوں۔"

"بے شک ـــــ یہ کوٹھی اگر آپ کی ہے تو آپ جب چاہیں یہاں آسکتے ہیں۔ آپ صرف اتنا یقین دلا دیجئے کہ واقعی یہ آپ کی کوٹھی ہے۔"

"میں آپ کو کیوں یقین دلاؤں ـــــ آپ کون ہیں؟"

"فی الحال مجھے یہاں کا چوکیدار سمجھ لیجئے جب تک آپ اس کے مالک ہونے کا ثبوت پیش نہیں کریں گے' اندر نہیں جاسکیں گے۔"

برکت نے ہنستے ہوئے کہا۔

"چوکیدار صاحب ـــــ! اپنی مالکن سے جاکر پوچھئے تو بتائے گی' کہ میں نے یہ کوٹھی اسے خرید کر دی تھی۔ کیوں خرید کر دی تھی۔ یہ بتانا ضروری نہیں ہے تم کافی سمجھ دار معلوم ہوتے ہو۔"

آخری بات اس نے معنی خیز انداز میں ایک آنکھ دبا کر کہی۔ اس کے آنکھ مارنے سے فرہاد کو یوں محسوس ہوا جیسے شبنم ساری دنیا کے سامنے

ننگی ہوگئی ہے۔ اس کے دل میں ایک چوٹ سی لگی ـــــ اس نے غصّہ سے کہا۔

"ہاں ـــــ ایسی کوئی بات نہ بتاؤ جو تہذیب کے خلاف ہو کیونکہ ایسی باتوں سے صرف ایک شبنم ہی نہیں' تمہارے جیسے کتنے ہی شریف زادوں کے چہروں کی سیاہی سامنے آجاتی ہے۔ کسی عورت پر کیچڑ اچھالنے کی بجائے اپنے دل و دماغ کی گندگی کو صاف کرو تو بہتر ہے ـــــ میں جانتا ہوں کہ کوٹھی شبنم کے نام پر ہے اور اس کے کاغذات بھی اسی کے پاس ہیں۔ لہٰذا چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ اور پھر کبھی یہاں کا رُخ نہ کرنا۔ ۔ ۔ ۔"

برکت نے غصّہ سے کہا۔

"تم مجھ پر دھونس جما رہے ہو۔ جانتے ہو میں کون ہوں ـــ میں چاہوں تو تمہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی فرہاد نے ایک الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کیا۔ وہ برآمدے سے لڑکھڑاتا ہوا اپنی کار کے قریب جاکر گرا۔

وہ بوکھلا کر بڑبڑانے لگا۔

"ارے ـــــ ارے ـــــ ایک شریف آدمی پر ہاتھ اٹھاتے

ہو. مارپیٹ کرتے ہو ——— زبان سے بات نہیں کرتے ——— یہ
بھی کوئی شرافت ہے . . . . . "

فرہاد نے ایک ہاتھ سے اس کا گریبان پکڑا ——— دوسرے
ہاتھ سے کار کا دروازہ کھولا اور اسے ڈرائیونگ سیٹ پر دھکیلتے
ہوئے کہا۔

" اس وقت ایک ہی ہاتھ پر بس کر رہا ہوں۔ آئندہ کبھی کوٹھی کے
آس پاس دکھائی دوگے تو اپنے پیروں سے چل کر ہسپتال نہیں جا سکوگے
چلو جاؤ یہاں سے . . . . . "

اس نے جلدی سے کار اسٹارٹ کی اور پھرتی سے ڈرائیو کرتا ہوا
کوٹھی کے احاطہ سے باہر چلا گیا۔

فرہاد اس وقت تک کھڑا رہا۔ جب تک کہ وہ کار نظروں سے
اوجھل نہیں ہوگئی۔ وہ اندر ہی اندر غصہ سے تلملا رہا تھا۔ اسے شبنم پر
بھی غصہ آ رہا تھا جس نے ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے۔

وہ غصہ سے طنطناتا ہوا کوٹھی کے اندر آیا۔ ڈرائنگ روم میں شبنم
اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے گھور کر اسے دیکھا اور کچھ کہے بغیر اس
کمرے کی طرف جانے لگا جہاں ضروری فائلیں رکھی رہتی تھیں۔ وہ کمرہ دفتر
کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔

شبنم اس کے پیچھے چلتی ہوئی بولی۔

" آپ ——— کیا آپ مجھ سے ناراض ہوگئے ہیں ؟"

" میری ناراضگی سے تمہیں کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہیئے ——— ہم
محض بزنس پارٹنر ہیں ——— کار کی چابی لاؤ۔ "

وہ کمرے کے اندر آگیا اور فائیلوں کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

شبنم نے عاجزی سے کہا۔

" میں چابی دیتی ہوں۔ آپ پہلے چائے پی لیجئے۔ "

" میرے پاس وقت نہیں ہے۔ "

اس نے ایک فائل اٹھا کر کہا۔

" چابی لاؤ ——— ! "

اس نے چابی دیتے ہوئے کہا۔

" خدا کے لئے مجھ سے ناراض ہو کر مت جایئے۔ "

وہ ہاتھ سے چابی چھین کر بولا۔

" میرا بس چلے تو میں اس کوٹھی میں کبھی قدم نہ رکھوں ———
ایک طرف تم پارسائی کا ڈھونگ رچاتی ہو اور دوسری طرف ایک ذلیل
آدمی کی خیرات کی ہوئی کوٹھی میں رہتی ہو۔ "

" اسے خیرات کی چیز مت سمجھئے۔ اس کے لئے میرے جسم کا خون نچوڑا

گیا ہے ——— پچھلی زندگی کی ٹھوکروں میں مجھے جو کچھ ملا اس سے انکار نہیں کیا اور جو کچھ لٹ گیا اس کے لئے فریاد نہیں کی ——— ایک پناہ گاہ حاصل کرنے کے بعد میں عزت سے رہنا چاہتی ہوں ——— تو آپ ناراض ہو جاتے ہیں ۔"

" ایسی جگہ تم کبھی عزت سے نہیں رہ سکتیں ۔ اس کوٹھی پر تمہاری پچھلی زندگی کی سیاہی لگی ہوئی ہے ۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا کمرے سے باہر آگیا ۔ شبنم دوڑتی ہوئی اس کا راستہ روک کر کھڑی ہوگئی اور کانپتے ہوئے لہجے میں بولی ۔

" صرف اس کوٹھی پر میری پچھلی زندگی کی سیاہی نہیں ہے ۔ میرا یہ جسم دیکھ رہے ہیں ، یہ جسم بھی داغدار ہے ۔ میں آپ کے حکم سے کوٹھی سے نکل کر جا سکتی ہوں ، مگر اس جسم سے باہر نکل کر کیسے جاؤں ——— کیا مر جاؤں"

" ہاں مر جاؤ ——— مگر میرا وقت ضائع نہ کرو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "

وہ اسے ایک طرف دھکا دیتا ہوا آگے بڑھ گیا ۔ شبنم صوفہ کے قریب جا کر گر پڑی تھی ، جب تک وہ دوبارہ اٹھتی فرہاد باہر جا چکا تھا ۔

وہ فوراً ہی دوبارہ نہ اٹھ سکی ۔ اس کے ہاتھ پاؤں بُری طرح کانپ رہے تھے جس پر اتنا مان تھا وہ اسے ٹھکرا کر چلا گیا تھا ۔

اس کا دل ڈوبنے لگا ۔

" ہاں ——— مر جاؤ !"

اس کا نفرت آمیز لہجہ اس کے دل میں نشتر کی طرح چبھ رہا تھا ۔

اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ بیٹھے بیٹھے زمین میں دھنسی جا رہی ہے زندہ درگور ہو رہی ہے ——— بحکم فرہاد مرتی جا رہی ہے ۔

اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار بہنے لگیں ۔

وہ اونچی کوٹھی میں رہنے والی زمین کی پستی میں بیٹھی ہوئی سوچ رہی تھی ، کیا اس کی زندگی میں ٹھوکریں ہی لکھی ہیں ۔

ہاں ——— ٹھوکریں بہت تھیں ——— مگر زندگی کی ٹھوکریں تھیں ۔ آج تک کسی مرد نے اسے ٹھوکر نہیں ماری تھی ۔ سب اس کے دیوانے بن کر آتے تھے ۔ فرہاد پہلا مرد تھا جو اس طرح ٹھکرا کر گیا تھا ۔

اچانک اسے ایک عجیب سی لذت کا احساس ہوا ۔

اس نے ایسے ہی محبوب کی تمنا کی تھی جو حاکم بن کر رہے ۔

جو اس کی خوشامد نہ کرے بلکہ اپنی محبوبہ سمجھ کر اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لے ——— اور وہ ایسی بن جائے ——— ایسی بن جائے کہ یہ کوٹھی چھوڑنے کے لئے تو کیا اگر وہ دنیا چھوڑنے کے لئے کہے تو وہ اس دنیا سے چلی جائے ۔

اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ اس نے فرہاد سے بحث کیوں کی ——

اس نے خاموشی سے تسلیم کیوں نہیں کیا۔ اسی وقت کیوں نہ سمجھ لیا کہ اس کوٹھی کی وجہ سے ان کا درمیانی فاصلہ اور بڑھ جائے گا۔

روزانہ اس کے ساتھ چائے پینے والا اس سے اس قدر بیزار ہو گیا تھا۔ کہ اس نے اس کے ساتھ چائے تک پینا گوارا نہیں کیا۔

وہ جس نے کبھی ایک بار سے دوسری بار اس کا ہاتھ نہیں پکڑا — وہ اسے دھکے دے کر چلا گیا۔ اب کیسے توقع کی جا سکتی تھی کہ فرش پر گری ہوئی عورت کو اٹھانے کے لئے وہ آئے گا۔

وہ پھر رونے لگی۔

اس نے محبت کرنے والے حاکم کی تمنا کی تھی۔ محبت سے حکومت کرنا، اور بات ہے۔ نفرت سے منہ پھیر کر چلے جانا اور بات ہے۔

فرہاد کی نفرت اسے کھلنے لگی۔

اس کا سخت لہجہ بھلایا نہیں جا رہا تھا۔

"ہاں —— مرجاؤ!"

وہ آواز ابھی تک دیمک کی طرح اسے چاٹ رہی تھی۔

وہ سسکیاں اور ہچکیاں لے لے کر رونے لگی —— بہت دیر تک روتی رہی۔ صبح سے دوپہر ہو گئی —— آنسو خشک ہو گئے، مگر دل خون ہوتا رہا —— وہ ایسی نڈھال ہو رہی تھی جیسے سچ مچ اندر سے مرتی

جا رہی ہو۔

ملازمہ کئی بار ڈرائینگ روم میں آئی۔ اس نے دور ہی دور سے اسے ناشتہ کرنے کے لئے کہا۔ مگر کوئی جواب نہ ملا۔ دوپہر گزر گئی اور کھانے کا وقت آیا تو ملازمہ پھر آئی۔ اس وقت بھی وہ فرش پر بیٹھی ہوئی تھی — اس کا سر صوفہ سے ٹکا ہوا تھا۔ اور آنکھیں بند تھیں۔

ملازمہ کچھ گھبرائی۔ شبنم کا چہرہ ایسے سرخ ہو رہا تھا جیسے آگ میں تپ رہی ہو۔

"بی بی جی —— ! اٹھئے۔۔۔"

اس نے آگے بڑھ کر اس کے بازو کو تھام لیا۔

پھر گھبرا کر بولی۔

"ہائے اللہ —— ! آپ کو تو بخار ہے۔"

شبنم نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔

"اٹھئے بی بی جی —— بیڈ روم میں چلئے۔۔۔"

اس نے انکار میں سر ہلا دیا۔

"ہائے بی بی جی —— ! یہ کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ —— صبح سے یہاں بیٹھی ہوئی ہیں —— چلئے، اپنے کمرے میں چل کر آرام سے لیٹئے۔۔۔"

"تم جاؤ ـــــ میں یہاں آرام سے ہوں ـــــ کتنا آرام ہے یہاں ۔ ۔ ۔ ۔"

وہ بیمار آواز میں بڑبڑانے لگی۔

"جہاں وہ مجھے پھینک گئے ہیں۔ وہیں آرام ہے۔

میں عورت نہیں ہوں، کوڑے کا ڈھیر ہوں۔ آج انہوں نے یہاں پھینکا ہے کل سڑک کے کنارے پھینکیں گے ـــــ مگر کل وہ آئیں گے جب کی بات ہے۔ وہ تو اس طرح نفرت کر کے گئے ہیں، جیسے کبھی منہ نہیں دیکھیں گے ـــــ کہتے تھے مر جاؤ!

آہ ـــــ مجھے زہر کیا مارے گا۔ ان کی بات نے ہی مار دیا ہے۔ بس یہی ایک جگہ ہے، جو انہوں نے مجھے دی ہے۔ مجھے یہیں مر جانے دو۔"

"موت آئے آپ کے دشمنوں کو ـــــ صاحب ضرور آئیں گے ـــــ آپ یہاں سے اٹھئے ـــــ بخار تیز ہو رہا ہے ـــــ میں ڈاکٹر کو فون کرتی ہوں۔"

ملازمہ نے اسے سہارا دیا، تاکہ وہ اٹھ جائے۔ لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی ـــــ بڑی آہستگی سے آنکھیں بند کرتی ہوئی بولی۔

"کسی کو فون نہ کرو ـــــ کسی ڈاکٹر کو نہ بلاؤ ـــــ میں ایک

ایسی بیماری ہوں جسے مرد گلے بھی لگاتے ہیں اور دور بھی بھاگتے ہیں۔ اس بیماری کا علاج کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں ہے۔ ۔ ۔ ۔"

اس کی آواز آہستہ آہستہ ڈوبتی جا رہی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ہوش و حواس کی دنیا سے دور جا رہی ہے۔

انسان کو جس طرح صدمہ مارتا ہے، اس طرح کوئی بیماری نہیں مارتی سب سے گہری چوٹ دل پر لگتی ہے جسم پر نہیں لگتی ـــــ اس کا بدن بخار سے نہیں، فرہاد کی نفرت سے جل رہا تھا۔

پھر وہ خاموش ہو گئی۔

ملازمہ نے اسے آواز دی۔ لیکن اس کی طرف سے جواب نہیں ملا ـــــ وہ آہستہ آہستہ اسے جھنجھوڑ کر پکارتی رہی۔ اس کی منتیں کرتی رہی، لیکن وہ جوں کی توں پڑی رہی۔

ملازمہ نے فون کرنے کے لئے سوچا تو اسے کسی ڈاکٹر کا فون نمبر نہیں معلوم تھا۔ وہ اپنی مالکن کو تنہا چھوڑ کر کسی ڈاکٹر کی تلاش میں نہیں جا سکتی تھی۔

وہ بوکھلا کر اِدھر اُدھر یوں دیکھنے لگی جیسے کسی مددگار کو تلاش کر رہی ہو۔ وہ دُبلی پتلی کمزور سی عورت تھی، شبنم کو اٹھا کر اس کے کمرے تک نہیں لے جا سکتی تھی۔

اس نے پھر ایک بار اسے چھو کر دیکھا ـــــ بدن آگ کی طرح جل رہا تھا۔ وہ آنکھیں بند کیے سردی سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ فی الحال ملازمہ کی سمجھ میں یہی آیا کہ وہ کمرے میں دوڑ کر جائے اور وہاں سے لحاف لا کر اس پر ڈال دے۔

وہ دوڑتی ہوئی کمرے کی طرف گئی۔ پھر رک گئی۔ پورچ میں کار کے رکنے کی آواز آئی تھی۔

وہ پلٹ کر بیرونی دروازے کی طرف بھاگی۔

باہر فرہاد کار سے نکل کر برآمدے کی طرف آ رہا تھا۔

ملازمہ چیخ پڑی۔

"صاحب جی ـــــ! جلدی چلئے ـــــ بی بی جی کی حالت بہت خراب ہے ـــــ صبح سے وہیں پڑی ہوئی ہیں، جہاں آپ چھوڑ کر گئے تھے۔ انہیں بہت تیز بخار ہے۔ سردی سے کانپ رہی ہیں ـــ مگر اٹھتی نہیں ہیں۔ میں نے کتنی ہی بار منتیں کیں۔ لیکن وہ کہتی ہیں کہ صاحب جہاں پھینک گئے ہیں وہیں مر جائیں گے۔۔۔۔"

فرہاد تیزی سے چلتا ہوا ڈرائینگ روم میں آ کر رک گیا۔

شبنم اسی جگہ پڑی ہوئی تھی۔ جہاں وہ اسے دھکا دے کر گیا تھا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ سیاہ بالوں کے پس منظر میں بخار سے

تمتاتا ہوا چہرہ اتنا معصوم اور ایسا ہمدردی کے قابل تھا کہ وہ تڑپ کر رہ گیا ـــــ یک بیک اسے احساس ہوا کہ اس نے شبنم پر ظلم کیا ہے۔ جو غصہ برکت علی پر تھا، وہ غصہ اس نے شبنم پر اتارا ہے ـــــ آخر کیوں ـــ؟

شبنم اس کی کیا لگتی تھی؟

کچھ نہیں ـــــ پھر وہ ایک خاوند کی طرح رعب جما کر کیوں چلا گیا تھا۔؟

اور وہ شبنم کا کیا لگتا تھا؟

کچھ نہیں ـــــ پھر وہ ایک وفادار بیوی کی طرح اسی جگہ کیوں پڑی تھی، جہاں وہ اسے ٹھکرا کر گیا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے قریب آیا اور ایک گھٹنا ٹیک کر اس پر جھک گیا۔

"شبنم ـــ!"

اس کے لہجے میں ایسی نرمی اور ایسی مٹھاس آ گئی کہ وہ خود اپنی اس کمزوری پر حیران رہ گیا۔

شبنم کی آنکھیں بدستور بند تھیں۔ اس نے چھو کر دیکھا تو واقعی وہ بری طرح بخار میں تپ رہی تھی۔ اس نے حیرت سے کہا۔

"خدا کی پناہ —— یہ کیا پاگل ہو گئی ہے! اس حالت میں بھی یہاں پڑی ہوئی ہے۔"

وہ اسے اپنے بازوؤں میں اٹھانے لگا۔ ملازمہ نے کہا،

"آپ نے بی بی جی سے کہا تھا کہ مر جاؤ —— یہ کہہ رہی تھیں کہ اسی جگہ مر جائیں گی ۔ ۔ ۔"

فرہاد نے اسے اٹھاتے اٹھاتے سینے سے لگا لیا، جو عورت اپنے مرد کے ایک حکم پر مرنے کے لئے اس نازک حالت تک پہنچ جائے، اس کی جگہ دل کی دھڑکنوں کے قریب ہوتی ہے۔ جب وہ دونوں بازوؤں میں اسے اٹھا کر لیجا رہا تھا تو شبنم کی چھاتی اس کی چھاتی پر دھڑکتی جا رہی تھی۔

"شب —— نم ۔ ۔ ۔ ۔ !"

چلتے چلتے اس نے کانوں کے قریب بڑے پیار سے سرگوشی کی
شبنم کی پلکوں میں ہلکی سی لرزش پیدا ہوئی۔

اس نے ملازمہ سے کہا،

"یہاں سے سڑک کی جانب تیسری کوٹھی میں ایک ڈاکٹر رہتا ہے۔ تم فوراً جاؤ اور اپنے ساتھ لے کر آؤ۔"

ملازمہ وہاں سے چلی گئی۔ فرہاد نے کمرے میں آ کر اسے بستر پر ڈالا،

پھر اسے لحاف میں اچھی طرح لپیٹنے کے بعد آواز دی

"شبنم —— آنکھیں کھولو —— شبنم ۔ ۔ ۔ ۔ !"

وہ بار بار کانوں کے قریب سرگوشی کرتا رہا۔

شبنم کے جسم میں ذرا سی حرکت پیدا ہوئی۔ لحاف کے اندر اس کے دونوں ہاتھ جیسے کانپنے لگے۔ پھر وہ ہاتھ لحاف سے باہر آئے اور اس نے معافی مانگنے کے انداز میں دونوں ہاتھوں کو جوڑ دیا۔

وہ نیم بیہوشی کی حالت میں فرہاد سے معافی مانگ رہی تھی۔ فرہاد نے بے اختیار اسے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔

"مجھے شرمندہ نہ کرو شبنم —— میں نے تم پر زیادتی کی ہے۔ اب میں کبھی تمہارا دل نہیں دکھاؤں گا ۔ ۔ ۔ ۔"

شبنم ہوش میں نہیں تھی —— صبح جب ہوش میں تھی، تب ہی اس نے دل میں سوچا تھا کہ وہ اپنے فرہاد سے معافی مانگ لے گی۔ شاید وہ دلی فیصلہ کی قوت تھی کہ نیم بیہوشی کی حالت میں بھی اس کے ہاتھ معافی مانگنے کے لئے اٹھ گئے تھے۔

وہ آگ کی طرح تپ رہی تھی اور شبنم کی طرح ہولے ہولے لرز رہی تھی۔

ڈاکٹر ٹیکہ لگا کر اور دوائیں دے کر چلا گیا تھا۔

وہ آنکھیں بند کئے سو رہی تھی۔ بخار کی حالت میں لحاف کافی نہیں تھا۔ اس لئے ہیٹر آن کر دیا گیا تھا۔ کھڑکیاں اور دروازے بند تھے۔ پھر بھی کوئٹہ کی برفانی ہوائیں شدید سردی کا احساس دلا رہی تھیں۔

فرہاد ہیٹر کے قریب کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ رات کے نو بج گئے تھے۔ اور وہ ابھی تک گھر واپس نہیں جا سکا تھا۔ شبنم کا بخار کبھی چڑھتا تھا، اور کبھی اترتا تھا۔ کبھی وہ جاگتی تھی اور کبھی سوتی تھی۔ وہ ایسی حالت میں اسے تنہا چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔

اگر وہ بھلی چنگی ہو کر اٹھ بیٹھتی تو کیا وہ یہاں سے چلا جاتا ——؟

یہ سوال اس نے اپنے دل سے کیا —— دل نے کہا —— نہیں جا سکتا تھا۔ پاؤں میں ایک ایسی زنجیر پڑ گئی ہے جسے وہ دیکھ نہیں سکتا۔ صرف محسوس کر سکتا ہے۔

ہیٹر کی سرخ روشنی اس کے چہرے پر منعکس ہو رہی تھی۔ یوں لگتا

تھا جیسے اس کے اندر بھی آگ جل رہی ہے۔

آگ کو چھونے سے آدمی جل ہی جاتا ہے۔ اب سے پہلے اس نے شبنم کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ اسے کیا پتہ تھا کہ بازوؤں میں اسے اٹھاتے ہی وہ جل جائے گا۔

اسے اپنے سینے پر اب تک شبنم کے دل کی دھڑکن سنائی دے رہی تھی —— یہ کیسی ادا تھی کہ جہاں اس نے ٹھکرایا تھا، وہاں وہ صبح سے شام تک بخار کی حالت میں پڑی رہی —— یہ ادا تھی یا ایک عورت کی عبادت تھی؟

اس نے گردن گھما کر شبنم کی طرف دیکھا —— دوسری گھریلو عورتوں کی طرح وہ بھی ایک عورت تھی۔ اس کے چہرے پر دور دور تک گناہ کی سیاہی نہیں تھی۔ اس لئے نہیں تھی کہ وہ اندر سے میلی نہیں تھی۔ لوگوں نے اسے باہر سے لوٹا تھا —— اس کے باطن تک کوئی نہیں پہنچ سکا تھا۔

فرہاد کو افسوس ہوا کہ اس نے خواہ مخواہ اس کوٹھی میں رہنے پر اعتراض کیا تھا وہ یہاں نہیں رہے گی تو اور کہاں جائے گی۔؟

اس نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ اُس نے جو کچھ پایا اسے رکھ لیا جو کھویا اس کے لئے فریاد نہیں کی —— لُوٹنے والے اس کی لُوٹی ہوئی چیز

واپس نہیں کر سکتے تھے، پھر وہ اپنے نام لکھی ہوئی کوٹھی کیسے واپس کر سکتی تھی۔ تالی دونوں ہاتھوں سے بجنا چاہیئے۔ انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ پہلے لوٹنے والوں کا محاسبہ کیا جائے ——— پھر ایک عورت کو گھر سے بے گھر کیا جائے۔

فرہاد نے ایک مظلوم عورت کے نقطہ نظر سے جتنا سوچا، اتنا ہی شبنم کو حق بجانب پایا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بستر کے قریب آ گیا۔

شبنم کراہتی ہوئی کروٹ بدل رہی تھی۔ فرہاد نے اسے چھو کر دیکھا تو بخار کم تھا۔ اس کے چھونے ہی شبنم کی آنکھ کھل گئی۔ تھوڑی دیر تک وہ بے خیالی میں اسے تکتی رہی۔ وہ فوراً ہی سمجھ نہ سکی کہ وہ کہاں ہے۔ اور کس حال میں ہے؟ ——— فرہاد کو عین نگاہوں کے سامنے دیکھ کر شاید وہ سوچ رہی تھی کہ یہ حقیقت نہیں ہے ——— خواب ہے ——— وہ سنگدل تو صرف خوابوں میں آ سکتا ہے۔

بخار اور نیند کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں سرخ ڈورے پڑ گئے تھے۔ ان نیم باز آنکھوں میں ایسا خمار چھایا ہوا تھا کہ فرہاد ان میں ڈوبتا ہی چلا گیا۔

شبنم کو یاد نہیں تھا کہ وہ اپنے محبوب سے معافی مانگ چکی ہے۔

اس نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"مجھے معاف کر دیجئے ——— اب میں آپ سے بحث نہیں کرونگی۔ یہ کوٹھی چھوڑ دوں گی۔ آپ جو کہیں گے، وہی کروں گی۔"

فرہاد نے پلنگ کے سرے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"نہیں ——— اب میں تمہیں کوٹھی چھوڑنے کے لئے نہیں کہونگا۔ ——— جب تمہارا کوئی گھر نہیں ہے تو پھر تم کہاں جاؤ گی۔ کوٹھی اسی وقت چھوڑ سکتی ہو، جب کوئی تمہیں اپنے گھر کی عزت بنا کر لے جائے۔"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی۔

"میں نے یہ خواب دیکھنا چھوڑ دیا ہے۔"

فرہاد نے کہا۔

"عورت جب تک سہاگن نہیں بنتی۔ خواب دیکھتی رہتی ہے اور اپنے خوابوں میں کتنی ہی صورتیں تراشتی رہتی ہے۔ تمہارے خوابوں میں بھی کتنی ہی صورتیں بنتی رہیں اور بگڑتی رہیں۔ اگر ان میں میری صورت ہو تو بتا دو ۔ ۔ ۔ ۔"

شبنم چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ دل کی دھڑکنیں اچانک تیز ہو گئیں ——— ہائے فرہاد! میں کیسے کہوں کہ میرے خوابوں میں تم ہی تم ہو ——— اب تک جو بھی آیا، میری دنیا میں آیا، دل میں نہیں آیا۔ میرے دل پر ہاتھ

رکھ کر دیکھو۔ یہ صرف تمہارے لئے دھڑک رہا ہے اور تمہارے ہی لئے اس نے مجھے بیمار بنا ڈالا ہے۔

وہ زبان سے کچھ نہ کہہ سکی، کچھ اس کی جھکی ہوئی نظروں نے کہا اور کچھ گورے گورے گالوں کی لالی نے کہہ دیا۔

فرہاد اس پر جھک گیا۔

"تمہاری خاموشی کا مطلب کیا سمجھوں —؟"

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کو چھپا لیا۔

فرہاد بالکل قریب چلا آیا۔ دونوں کے چہروں کے درمیان نازک سی ہتھیلیوں کا پردہ تھا۔

"یہ پردہ ہٹا دو —— !" اس نے سرگوشی میں کہا۔

پردہ ہٹا دو، اس کی لرزتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ہیں —— میں آپ کا احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی — آپ مجھے اپنی عزت بنانا چاہتے ہیں۔ میں آپ کی کنیز بن کر رہوں گی مم —— مگر آپ میری ایک بات مان لیجئے۔ . . . ."

"کہو —— کیا کہنا چاہتی ہو؟"

وہ جھجکتی ہوئی بولی۔

"یہ بستر —— یہ کمرہ —— یہ کوٹھی آپ کے شایانِ شان نہیں

ہے۔ مجھ سے آپ کی عزت نہیں بنے گی۔ آپ سے میری عزت بڑھے گی۔ آپ مجھے ہاتھ لگانے سے پہلے یہاں سے کہیں دور لے جائیے۔ اس کوٹھی میں ایمانداری سے رشتہ نہیں ہو سکتا۔ . . . ."

فرہاد نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"تم نے بہت اچھی بات کہی ہے۔ میں تمہاری قدر کرتا ہوں۔ میں کل ہی دوسرا مکان تلاش کروں گا —— لیکن یہ بتاؤ کہ اس کوٹھی کا کیا ہوگا؟"

"جو آپ فیصلہ کریں گے۔"

فرہاد نے مسکرا کر کہا۔

"فیصلہ کیسے کروں؟ کس کے سامنے کروں؟ تم تو چھپی ہوئی ہو، یہ اپنے چہرے پر سے ہاتھ ہٹاؤ!"

اس نے آہستہ آہستہ چہرے پر سے ہاتھ ہٹا لئے۔ لیکن نظریں نہ ملا سکی پلکیں جھکی رہیں اور نصف چہرہ تکیہ میں چھپا رہا۔

فرہاد نے کہا۔

"مجھ پر فیصلہ چھوڑ دو گی تو بہت سا نقصان برداشت کرنا ہوگا۔"

اس نے جواب دیا۔

"نفع اور نقصان بزنس پارٹنر سوچتے ہیں۔ آج سے میں آپ کے

بزنس پارٹنر نہیں ہوں۔"

"یعنی صرف لائف پارٹنر ہو ؟"

شبنم نے ہاں کے انداز میں سر ہلا دیا۔ فرہاد نے کہا۔

"اچھی بات ہے تو پھر یہ کوٹھی ہم فروخت کر دیں گے۔ جو رقم ملے گ
وہ کسی فلاحی ادارے میں دیدیں گے — منظور ہے ؟"

اس نے پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تمہارے تمام زیورات اور نقد روپے بھی کسی نیک کام میں خرچ
کئے جائیں گے۔ ہم نے کاروبار میں جو منافع حاصل کیا ہے۔ صرف اسی مناف
سے اپنا کاروبار آگے بڑھائیں گے۔

اتنی بڑی دولت اور جائیداد کو چھوڑ دینا بظاہر ایک احمقانہ بات
ہے لیکن اس سے ہمارا ضمیر مطمئن ہوگا۔ ہم نیکی اور ایمانداری کی بنیاد پر ا
ازدواجی زندگی کی ابتدا کریں گے۔

میں اس بات پر فخر کروں گا کہ تم نے میری خاطر دولت اور جائیداد
کو ٹھکرا دیا ہے تم اس بات پر ناز کرو گی کہ میں نے بھی تمہیں اپنانے کیلئے
صرف تمہاری تمنا کی ہے اور اپنی محنتوں سے تمہارے لئے ایک گھر بنا
ہے . . . . "

وہ زیر لب مسکرانے لگی۔ دل مسرت سے لبریز تھا کہ فرہاد اس کے ل

گھر بنائے گا۔ اسے ایک خاوند کی محبت دے گا۔ اس گھر میں چھوٹی چھوٹی
خوشیاں ہوں گی۔ چھوٹے چھوٹے پیارے پیارے بچے ہوں گے۔ فرہاد
کے یہ بچے اس کی کوکھ میں پرورش پائیں گے اور اس کی گود میں کھیلیں گے
کتنا سہانا سپنا ہے یہ — جب وہ اپنے فرہاد کو ایک ننھے منے
بچے کا تحفہ دے گی تو اس وقت فخر سے کہے گی کہ عورت صرف کھلونا
نہیں ہے اس دنیا کی تخلیق کا پہلا دروازہ ہے۔

اس نے بڑی آہستگی سے اپنا ہاتھ فرہاد کے ہاتھوں میں دے دیا۔

میں مجرم ہوں، مجھے سزا ملنی
چاہیئے بیٹے کے ہاتھوں سے سزا ملے گی
تو دوسرے بھی عبرت حاصل کریں گے۔

عزت آرا اور نواز صاحب دفتر کے کاموں سے
کچھ زیادہ ہی دلچسپی لینے لگے۔

صبح سے شام تک کا وقت اتنی تیزی سے گزر جاتا تھا جیسے وقت کو پر لگ گئے ہوں، جاڑے کے دن یوں بھی چھوٹے ہوتے ہیں۔ لیکن ایسے بھی چھوٹے نہیں ہوتے کہ ادھر نواز صاحب دفتر میں آئے، اور اُدھر شام ہو گئی ـــــ ویسے عزت جانتی تھی کہ وقت کہیں نہیں جاتا۔ وہ سارے کا سارا وقت نواز صاحب بہا کر لے جاتے ہیں۔

ناصرہ پروین اور فرزانہ فہیم محسوس کر رہی تھیں کہ نواز صاحب کچھ بدل گئے ہیں، سنجیدگی تو ان میں اب بھی تھی، لیکن وہ مالکانہ مزاج نہیں

تھا۔ وہ دفتر میں باس بن کر نہیں آتے تھے۔ رسالہ کے مضامین کے علاوہ دوسرے مسائل پر بھی گفتگو کرتے تھے۔ کبھی کبھی مسکراتے بھی تھے اور رسالے میں شائع ہونے والے لطیفوں کا انتخاب کرتے وقت انہیں پڑھ کر قہقہے بھی لگاتے تھے۔

صفدر صاحب نے بڑے اطمینان سے فیصلہ سنا دیا کہ ہنٹر کو جونک لگ رہی ہے۔

فرزانہ فہیم کا خیال تھا کہ وہ سرینڈر کر گئے ہیں۔ یعنی ماہنامہ "عزت" کا مسلسل مطالعہ کرنے کے بعد کسی حد تک عورت کے مزاج کو سمجھ گئے ہیں۔

ناصرہ پروین ابھی دفتری ماحول کو خاموشی سے دیکھ رہی تھی، سونگھ رہی تھی، اپنی رائے پیش کرتے ہوئے ہچکچا رہی تھی۔ پھر بھی عورت تھی خاموش نہیں رہ سکتی تھی۔ خاموشی کے باوجود اتنا کہہ گئی کہ بہت جلد کوئی چونکا دینے والی خبر ملے گی۔

بہرحال اس دفتر میں زندگی کی ایک نئی اور انجانی سی حرارت پیدا ہو گئی تھی۔ وہاں بظاہر سب ہی انجان سے بنے ہوئے تھے اور بڑے بھولپن سے نگاہوں کی چوری کو پکڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مگر وہ دونوں بڑے ہی چور ثابت ہو رہے تھے۔ چیونٹی بھی چلتی ہے تو آگے

ذرا اور آگے بڑھتی نظر آتی ہے۔ پتہ نہیں وہ کیسی چال چل رہے تھے دیکھنے سمجھنے اور شبہ کرنے والوں کو مایوس کرتے جا رہے تھے۔

عزت آرا سمجھ میں آتے آتے بھی سمجھ میں نہیں آتی تھی —— نواز صاحب کی باتوں پر کبھی مسکراتی تھی اور کبھی پریشان ہو جاتی تھی۔ اس کی مسکراہٹ بہت سے نازک جذبوں کی عکاسی کرتی تھی اور اس کی پریشانی بہت سے سہمے ہوئے تجربوں کی مظہر بن جاتی تھی۔

اگلا پرچہ پریس میں جانے سے پہلے ہی اس نے کام کو اتنا آگے بڑھا دیا کہ دفتری اوقات کے بعد اسے رات گئے تک رکنے اور گھر تک پہنچانے کے لئے نواز صاحب کو زحمت دینے کی ضرورت نہ رہی۔

اس بات کو نواز صاحب نے محسوس کیا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ ان سے کترا رہی ہے۔ انہوں نے ناگواری سے سوچا کہ —— بڑی عجیب سی بات ہے۔ ان عورتوں کے نخرے سمجھ میں نہیں آتے۔ بعض اوقات بالکل ہی معمہ بن جاتی ہیں۔

نواز صاحب اس معمہ کو حل کرنے کی بجائے خود بھی کترانے لگے — اپنی طرف سے بھی بے نیازی کا ثبوت دینے لگے۔

صفدر صاحب نے انہیں سمجھایا۔

" سارا قصور آپ کا ہے۔ اس رات عزت صاحبہ نے آپ کو چائے

کی دعوت دی تھی۔ لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ اب ان کی ناراضگی بجا ہے . . . . .“

” ناراض ہیں تو ہوتی رہیں۔ کیا میں چائے پی کر اپنی نیند خراب کر لیتا . . . . ؟“

صفدر صاحب نے مسکرا کر پوچھا۔

” ٹھیک ہے کہ آپ نے چائے نہیں پی۔ مگر ایمان سے کہئے۔ کیا اس رات نیند آگئی تھی ؟“

نواز صاحب جواب نہ دے سکے۔ ریوالونگ چیئر پر گھوم کر وہ کہیں دور کھو گئے۔ شاید انہیں بھولا ہوا رتجگا یاد آرہا تھا۔

شام کو ہیڈ کاتب نے کاپیاں جوڑنے میں دیر کر دی۔ صفدر صاحب کی سازش تھی، دیر تو ہونی ہی تھی۔ کام ختم ہونے سے پہلے ہی وہ فرار ہو گئے ہیڈ کاتب نے کہیں قریب ہی اپنے کسی عزیز کے ہاں جانے کا بہانہ کیا اور عزت تنہا رہ گئی۔

جب وہ دونوں دفتر سے چلے تو پھر اسی شیشوں کے قفس میں تنہا تنہا سے تھے۔

صدر سے آگے بڑھتے ہی عزت نے کہا۔

” کار روک دیجئے۔ میں نے ڈرگ کالونی کا مکان چھوڑ دیا ہے ــ

یہاں سے ٹیکسی میں چلی جاؤں گی۔“

انہوں نے کار روک دی۔

” آپ ٹیکسی میں کیوں جائیں گی۔ کیا میں نئے مکان تک نہیں پہنچا سکتا ــ ؟“

وہ ذرا ہچکچائی۔ پھر کہنے لگی۔

” آپ کی یہ شاندار گاڑی میرے نئے مکان تک نہیں جا سکتی۔ آپ ملازمت کرنے والی لڑکیوں کی دشواریوں کو نہیں سمجھ سکتے کہ ہمیں کتنی بدنامیوں سے بچ کر چلنا پڑتا ہے۔

کرائے کی ٹیکسی کو محلے والے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ لیکن کوئی بہت بڑا آدمی، بہت بڑی کار میں چھوڑنے آئے تو لوگ کتنے ہی اسکینڈل تراشنے لگتے ہیں ــــــ کہتے ہیں کہ بھائی بی اے پاس ہے اسے برسوں کے بعد کوئی کاروبار ملا ہے مگر بہن کو ہر جگہ آسانی سے ملازمت مل جاتی ہے وہ میری صلاحیتوں کو نہیں دیکھتے۔ میری عمر کو دیکھ کر شرمناک الزامات عائد کرتے ہیں۔

ہم عورتیں دوسروں کے سوچنے کا انداز نہیں بدل سکتیں۔ اس لئے مکان بدل لیتی ہیں۔ کراچی بہت بڑا شہر ہے۔ یہاں بہت سے محلے میں بہت سے مکانات ہیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں پھر کوئی مکان تبدیل کروں تو

چلئے مجھے وہاں تک چھوڑ آیئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

نواز صاحب سر جھکائے خاموش بیٹھے رہے۔

ان کا ذہن آئینہ کی طرح صاف ہو گیا تھا۔

عزت آرا کے کترانے کی وجہ سمجھ میں آ گئی تھی۔

اور اب یہ حقیقت بھی سمجھ میں آ رہی تھی کہ لڑکیاں ملازمت کے لئے مجبور ہو کر گھر کی چار دیواری سے باہر نکلتی ہیں تو انہیں کیسی کیسی جھوٹی تہمتوں کا شکار ہونا پڑتا ہے۔

عزت کار کا دروازہ کھول کر کسی ٹیکسی کی تلاش میں چلی گئی۔

انہوں نے اسے نہیں روکا۔ اسے مزید بدنام کرنے کے لئے وہ اس کے نئے مکان تک نہیں جا سکتے تھے۔ اس لئے وہ گم صم بیٹھے رہے۔ اور عزت کے مسئلہ پر بڑی سنجیدگی سے غور کرتے رہے۔

کچھ عورتیں ہوتی ہیں جو بدنامیوں کو قبول کر لیتی ہیں ——— چار سو روپے کی ملازمت کرتی ہیں اور آٹھ سو روپے کے شاندار فلیٹ میں رہتی ہیں۔ ایسی عورتوں نے ملازمت کرنے والی دوسری خواتین کو بدنام کر رکھا ہے۔ اچھے اور برے چہرے آسانی سے پہچانے نہیں جاتے ——— انہیں بہت قریب سے دیکھنا پڑتا ہے۔ بہت عرصہ تک مشاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ تب کہیں جا کر ملازمت کی دلدل میں کنول جیسے پاکیزہ

چہرے نظر آتے ہیں۔

نواز صاحب خاموش بیٹھے رہے۔ سامنے ونڈ اسکرین پر عزت کا چہرہ کنول کی طرح کھل رہا تھا۔ اس کے لبوں پر شرمیلی مسکراہٹ تھی۔ اور وہ جھکی جھکی نظروں سے اور دل موہ لینے والی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

پھر وہ حسین چہرہ کسی دوسرے چہرے میں گڈ مڈ ہونے لگا۔ کسی بوڑھے مرد کا چہرہ تھا ——— جو عزت کے خیالی چہرے پر حاوی ہو رہا تھا۔

وہ اپنے خیالات سے چونک گئے۔ ایک بوڑھا ونڈ اسکرین کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ گرد سے اٹا ہوا تھا۔ وہ کئی دن کی بڑھی ہوئی داڑھی کو کھجاتا ہوا کھڑکی کے قریب آ گیا اور ہچکچاتے ہوئے کہنے لگا۔

"حضور ——— میں بھکاری نہیں ہوں۔ خانپور سے اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ یہاں کام کی تلاش میں آیا ہوں۔ میرے بیوی بچے وہاں فٹ پاتھ پر صبح سے بھوکے پڑے ہیں۔ اللہ کے نام پر ایک وقت کی روٹیاں کھلا دیجئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

ایسے پیشہ ور بھکاری آئے دن راہگیروں کا راستہ روک کر اپنی من گھڑت کہانیاں سناتے ہیں۔ نواز صاحب کو اس سے دلچسپی نہیں

ہونی چاہیئے تھی۔ لیکن وہ بڑے غور سے اسے دیکھ رہے تھے ـــــ ایسے دیکھ رہے تھے جیسے کوئی بھولا ہوا چہرہ یاد کر رہے ہوں۔

بکھرے ہوئے بال ـــــ بڑھی ہوئی داڑھی ـــــ جمی ہوئی گرد نے پرانے چہرے کو چھپا رکھا تھا۔ کھڑکی کے فریم میں جڑے ہوئے چہرے کو دیکھ کر انہیں یاد آرہا تھا کہ ایسا ہی چہرہ ان کے البم میں ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہ بوڑھا تھا اور البم میں جو تصویریں تھیں اس میں ایک ادھیڑ عمر کا شخص تھا۔

بوڑھے نے پھر ایک وقت کی روٹیوں کا سوال کیا۔ نواز صاحب نے اسے ناگواری اور ہمدردی کی ملی جلی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

"آپ کا نام کیا ہے؟"

"سلیم احمد ـ!"

اچانک نواز صاحب کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ انہوں نے بڑی ناگواری سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بیوی بچے کہاں ہیں؟ ـــــ انہیں یہاں لے آیئے ـــــ روٹی مل جائے گی۔"

وہ دعائیں دیتا ہوا جلدی سے پلٹ کر دوسری طرف کے فٹ پاتھ پر چلا گیا۔ نواز صاحب اسے دیکھ رہے تھے۔ دور ایک عورت چادر میں لپٹی

ہوئی تھی اور اس کے قریب ایک چھ سال کا لڑکا کھڑا ہوا تھا۔ بوڑھے نے اس عورت سے کچھ کہا۔ پھر وہ تینوں کار کی طرف آنے لگے۔

ان کے قریب آتے ہی انہوں نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر کہا۔

"بیٹھ جایئے ـ!"

بوڑھے نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"حضور ـــــ ہم اس گاڑی میں بیٹھنے کے قابل نہیں ہیں۔ آپ ہمیں یہاں کسی ہوٹل سے روٹی کھلا دیجئے۔"

"روٹی کسی ہوٹل سے نہیں، میرے گھر سے ملے گی ـــــ بیٹھ جایئے۔"

وہ تینوں سمٹ سمٹا کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔

نواز صاحب نے کار اسٹارٹ کی۔ پھر کار کے اندر روشنی کی اور چھوٹے سے آئینہ کو ایسے زاویے پر رکھا کہ اس میں بوڑھے کا چہرہ نظر آنے لگا۔

"جناب! آپ کتنی دور لے جائیں گے؟"

نواز صاحب نے جواب دیا۔

"پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے دوری نہیں دیکھی جاتی ہے۔"

بوڑھا خاموش ہوگیا۔

تھوڑی دیر کے بعد نواز صاحب نے پوچھا۔

"آپ آگرہ کے رہنے والے ہیں؟"

"جی ہاں —— مم ۔ مگر آپ کو کیسے معلوم ہوا ؟"

انہوں نے دوسرا سوال کیا۔

"پاکستان بننے کے بعد آپ آگرہ سے کراچی آئے ہوں گے ؟"

"جی ہاں — !"

"پھر آپ خانپور کیسے چلے گئے ؟"

"وہ —— وہ —— بس جی یونہی —— کچھ خاندانی جھگڑے ہو گئے تھے۔ اس لئے میں یہ شہر چھوڑ کر چلا گیا۔"

"اب آپ کے خاندان والے کہاں ہیں ؟"

"پتہ نہیں —— بائیس برس گزر چکے ہیں۔ اس عرصہ میں سب اِدھر اُدھر ہو گئے ہیں کسی کا پتہ نہیں چلتا کہ کون کہاں ہے ؟"

کار ایک کوٹھی کے کمپاؤنڈ میں داخل ہو گئی۔

ایک ملازم دوڑتا ہوا قریب آیا۔

انہوں نے کہا۔

"ان لوگوں کو ڈرائنگ روم میں لے جا کر پیٹ بھر کر کھلاؤ۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ کوٹھی کے اندر چلے گئے۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر وہ صوفہ پر گر پڑے اور دونوں ہاتھوں سے

ہرے کو چھپا کر یوں بیٹھ گئے جیسے اپنی موجودہ زندگی سے شرما رہے ہوں

بوڑھے کا چہرہ ان کی نگاہوں کے سامنے گھوم رہا تھا۔ اس کا نام سلیم احمد تھا۔ آگرے کا رہنے والا تھا۔ پھر وہ آگرے سے کراچی آیا تھا۔ نام بھی وہی تھا۔ مقامات بھی وہی تھے اور چہرہ بھی جانا پہچانا تھا۔

وہ اٹھ کر الماری کے پاس آئے۔ اسے کھول کر انہوں نے ایک پرانا البم نکالا اور اس کے ورق اُلٹ اُلٹ کر تصویریں دیکھنے لگے۔

وہ تصویریں سلیم احمد کے چہرے کو زیادہ سے زیادہ واضح کرتی جا رہی تھیں۔

انہوں نے چند تصویریں نکال کر البم کو الماری میں رکھ دیا۔ اور کمرے سے باہر آ گئے —— زینے کے نیچے ڈرائینگ روم تھا — اس کے بعد ڈائیننگ ہال تھا۔ جہاں وہ تینوں بیٹھے ہوئے مرغن غذائیں کھا رہے تھے۔

سلیم احمد کھانے کے بعد پانی پی کر ڈکار لیتے ہوئے نواز صاحب کو دعائیں دینے لگا۔

نواز صاحب اس کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے اور اس کی جانب ایک تصویر بڑھا کر بولے۔

"آپ اس تصویر کو پہچانتے ہیں ؟"

سلیم احمد نے اس تصویر پر ایک نظر ڈالی۔ پھر حیرانی سے بولی۔

"یہ ـــــ یہ تو میری تصویر ہے ـــــ آپ ـــــ آپ کے پاس کہاں سے آئی؟"

انہوں نے دوسری تصویر بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ کے ساتھ کس خاتون کی تصویر ہے؟"

"یہ ـــــ یہ میری بیوی ہے۔"

نواز صاحب نے اس کے قریب بیٹھی ہوئی عورت کی طرف اشارہ کرکے پوچھا۔

"تو پھر یہ آپ کی کون ہے؟"

"یہ میری دوسری بیوی ہے۔ پہلی کا انتقال ہو چکا ہے۔"

"انتقال ہو چکا ہے۔۔۔" نواز صاحب اداس ہو گئے۔

سلیم احمد نے حیرانی سے پوچھا۔

"یہ میری اور میری بیوی کی تصویریں آپ کے پاس کیسے آ گئیں؟"

انہوں نے اداسی سے کہا۔

"پہلے یہ بتائیے کہ پہلی بیوی سے کتنی اولادیں تھیں اور وہ کہاں ہیں ــ؟"

"اولاد ــ؟"

وہ جواب دیتے ہوئے ہچکچانے لگا۔ پھر اس نے اٹکتے ہوئے کہا۔

"اس بیوی سے ـــــ کوئی ـــــ کوئی اولاد نہیں تھی۔"

"آپ جھوٹ بولتے ہیں۔"

نواز صاحب نے اتنی زور سے میز پر ہاتھ مار کر کہا کہ سلیم احمد اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"یاد رکھئے ـــــ آپ مجھ سے جھوٹ بول کر یہاں سے نہیں جا سکیں گے ـــــ میں آپ کے متعلق سب کچھ جانتا ہوں۔ پہلی بیوی سے آپ کے دو بچے تھے۔ ایک لڑکا تھا اور دوسری لڑکی تھی۔ آپ شروع سے ہی اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی زندگی تباہ کرتے رہے ہیں۔"

آپ ایک معمولی بس ڈرائیور تھے۔ آپ جو کماتے تھے، اسے شراب اور جوئے میں لٹا دیتے تھے۔ جس کے نتیجہ میں آپ کے بیوی بچے دو دو وقت کے فاقے کرتے تھے۔ بچوں کے نانا جان سے ان کی یہ حالت دیکھی نہ گئی۔ انہوں نے روپے پیسے سے مدد کی اور لڑکے کو اپنے ہاں لے گئے۔ تاکہ اسے اعلیٰ تعلیم دلا کر کسی قابل بنا سکیں۔ وہ اپنی نواسی کو بھی اپنے ساتھ لے آتے ـــــ لیکن وہ ایک سال کی تھی اور اپنی ماں کا دودھ پیتی تھی۔

انہوں نے سوچا تھا کہ بچی بڑی ہو گی تو وہ اسے بھی اپنے ہاں لے آئیں
گے۔ کیونکہ آپ کے ہاں کوئی تہذیب نہیں تھی ——— کوئی شرافت
نہیں تھی ——— آپ جاہلوں کی طرح زندگی گزارتے تھے اور جاہلوں
کی طرح آپ نے اپنے بچوں کے نام رکھے تھے۔ بیٹے کو ناجو کہتے تھے اور
بیٹی کو شیراتن . . . . "

سلیم احمد منہ کھولے اور دیدے پھاڑے حیرانی سے دیکھے جا رہا
تھا۔

نواز صاحب نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

" مجھے یہ بات کہتے ہوئے شرم آتی ہے کہ میں آپ کا بیٹا ہوں۔ یہ
نانا جان کی مہربانیاں تھیں کہ میں ناجو سے نواز احمد درانی بن گیا ہوں"

سلیم احمد یکبارگی تڑپ کر آگے بڑھا۔

" میرے بچے ——— میرے بیٹے ——— تم ——— تم میرے بیٹے
ہو . . . . "

نواز صاحب نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

" ٹھہریئے ——— میرے قریب مت آیئے۔ مجھے بیٹا کہنے سے
پہلے سچ سچ بتایئے کہ میری امی اور میری بہن کہاں ہیں ؟ "

اس کے چہرے سے پریشانی ظاہر ہونے لگی۔ نواز صاحب نے

کہا۔

" آپ ایک بار جھوٹ بول چکے ہیں کہ آپ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔
میں دوسری بار کوئی جھوٹ نہیں سننا چاہتا . . . . "

سلیم احمد تھکے ہوئے انداز میں کرسی پر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے ندامت
سے سر جھکا کر کہا۔

" تمہاری ماں مجھ سے روٹھ کر چلی گئی۔ وہ اپنے ساتھ تمہاری بہن کو
بھی لے گئی تھی۔ میں نہیں جانتا کہ وہ دونوں کہاں ہیں۔ میں نے انہیں
کبھی تلاش نہیں کیا۔ "

" ایسی باتیں کہتے ہوئے آپ کو شرم آنی چاہیئے۔ آپ نے میری
امی کی اور میری ننھی منی بہن کی زندگی برباد کر دی۔ انہیں دربدر کی
ٹھوکریں کھانے کے لئے چھوڑ دیا۔ اب آپ ہی بتایئے کہ میں انہیں
کہاں تلاش کروں ——— ؟ آپ یہ شہر چھوڑ کر امی کے ساتھ کیوں چلے
گئے تھے ——— ؟ وہ کون سی مجبوری تھی کہ آپ یہاں سے منہ چھپا کر بھاگ
گئے تھے ——— ؟ "

" میں ——— میں قرضوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ کسی کو منہ نہیں دکھا
سکتا تھا۔ اس لئے یہ شہر چھوڑ کر . . . . "

نواز صاحب نے گرج کر کہا۔

"آپ پھر جھوٹ بول رہے ہیں ——— آپ نانا جان کے ہاں سے دس ہزار روپے چرا کر بھاگے تھے۔"

سلیم احمد کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ کچھ بڑھاپے کی وجہ سے اور کچھ اپنے جرم کی وجہ سے وہ بری طرح لرز رہا تھا۔

"میں نے آپ سے کہا تھا کہ میں جھوٹ نہیں سننا چاہتا۔ لیکن آپ باربار جھوٹ بول رہے ہیں۔ میں آپ کو پھر سمجھاتا ہوں کہ میرے سامنے سچ بولئے۔ ورنہ میں باپ بیٹے کے رشتے کا لحاظ کئے بغیر آپ کو پولیس کے حوالے کر دوں گا۔"

وہ تھوڑی دیر تک مجرموں کی طرح سر جھکائے بیٹھا رہا۔ پھر اس نے شکست خوردہ انداز میں کہا۔

"میں مجرم ہوں۔ مجھے سزا ملنی چاہیئے۔ بیٹے کے ہاتھوں سزا ملے، تو دوسرے بھی عبرت حاصل کریں گے۔

بیٹا ——— ! تمہاری ماں ایک نیک اور وفادار عورت تھی۔ وہ جب تک میرے ساتھ رہی، میرے ظلم و ستم برداشت کرتی رہی۔ ایک رات میں نے اچانک یہ شہر چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ تمہاری ماں نے کہا کہ تمہارے ناناجان کو زمینوں پر سے واپس آنے دو۔ پھر ہم چلے جائیں گے تم اس وقت آٹھ برس کے تھے۔ اور اپنے نانا کے ساتھ زمینوں پر گئے ہوئے تھے۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ میں اسی رات کیوں بھاگنا چاہتا ہوں۔ میں نے اس سے کہہ دیا کہ اگر وہ میرے ساتھ نہیں جائے گی تو پھر میں کبھی واپس نہیں آؤں گا۔

وہ خاوند کو نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ تمہیں اس لئے چھوڑ دیا کہ تم بچپن ہی سے نانا کے پاس رہتے تھے۔ میرے مجبور کرنے پر اس نے سوچا، کہ کچھ دنوں کے بعد وہ پھر واپس آ جائے گی۔

لیکن اسے واپس آنے کا موقعہ نہیں ملا۔ اسے معلوم ہو گیا کہ میں اس کے باپ کے ہاں سے دس ہزار روپے چرا کر لایا ہوں اور اسے اس لئے ساتھ لایا ہوں کہ چوری کا الزام ہم دونوں پر آئے۔ اگر مجھے سزا ملے گی تو اسے بھی ملے گی، اگر اسے معاف کیا جائے گا۔ تو مجھے بھی معاف کر دیا جائے گا۔

وہ دوسرے ہی دن واپس جانے کے لئے ضد کرنے لگی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ دس ہزار ختم ہونے سے پہلے تمہارے نانا کو ہمارا پتہ ملے۔ میں نے اسے دھمکی دی کہ اگر وہ اپنے باپ کے پاس جائے گی۔ تو میں اسے طلاق دے دوں گا۔ اور کہیں ایسی جگہ چلا جاؤں گا۔ جہاں کوئی مجھے تلاش نہیں کر سکے گا۔

میری دھمکی کارگر ہوئی۔ وہ سارے رشتوں کو توڑ سکتی تھی لیکن مجھ

سے طلاق نہیں لے سکتی تھی۔ وہ رو دھو کر بیٹھ گئی اور فیصلہ کر لیا کہ دس ہزار ختم ہونے کے بعد ملازمہ کی حیثیت سے باپ کے گھر نہیں جانا چاہیئے۔ تم ایک سال تک میں ان روپوں سے عیش کرتا رہا۔ روپے ختم ہو گئے تو پھر ادھر اُدھر ڈرائیور کی نوکری کرنے لگا۔ میں راتوں کو شراب پی کر آتا تھا اور اس سے لڑتا جھگڑتا رہتا تھا۔

شبراتن چودہ برس کی ہو گئی تھی۔ اس کی ماں مجھے سمجھاتی تھی کہ لڑکی جوان ہو رہی ہے۔ مجھے بری عادتیں چھوڑ دینی چاہیئے۔ لیکن مجھ پر اس کے سمجھانے کا اثر نہ ہوا۔ ایک رات میں ایک بازاری عورت کو گھر لے آیا۔ اس نے میرے ہر ظلم و ستم کو برداشت کیا۔ لیکن سوکن کو برداشت نہ کر سکی۔ اور شبراتن کو لے کر گھر سے چلی گئی۔

اس کے بعد ان دونوں کا پتہ نہیں چلا۔ بلکہ وہ میرا پتہ نہ لگا سکے کیونکہ میں جگہ چھوڑ کر خانپور چلا گیا تھا۔ وہاں میں نے اس غریب عورت سے شادی کی اور تب سے دربدر کی ٹھوکریں کھاتا پھر رہا ہوں۔"

نواز صاحب نے نفرت سے کہا۔

"آپ ساری زندگی ٹھوکریں کھاتے رہیں گے۔ تب بھی مجھے آپ سے ہمدردی نہیں ہو گی۔ میں صرف اخلاقاً آپ کو برداشت کر رہا ہوں۔ آپ کو پولیس کے حوالے بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس میں میری ہی بدنامی ہے

ناناجان زندہ ہوتے تو وہی آپ کو سزا دیتے۔

یہ کتنے افسوس اور شرم کی بات ہے کہ آپ سڑکوں پر بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ یہاں میرا نام ہے، عزت ہے۔ کسی کو معلوم ہو گیا کہ میرا باپ بھیک مانگتا تھا تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔

بہرحال آپ کو تو اب یہاں پناہ مل جائے گی۔ کیونکہ میں آپ کی وجہ سے اپنی سوسائٹی میں تماشہ نہیں بننا چاہتا۔ لیکن میں امی اور شبراتن کو کہاں تلاش . . . . . .

لاحول ولا قوۃ آپ نے کیسا تھرڈ کلاس نام رکھا ہے۔ شبراتن کوئی نام ہوتا ہے۔ اس نام سے ہی پتہ چل جاتا ہے کہ ایسے نام والے کتنے نچلے درجہ کے لوگ ہوتے ہیں۔

آپ ـــــ آپ میری بہن کے متعلق بتایئے کہ وہ کیسی ہے؟ ـــــ کوئی بھائی بچھڑ جائے یا بوڑھے والدین بچھڑ جائیں تو صرف صدمہ ہوتا ہے ـــ لیکن جوان بہن بچھڑ جائے تو صدمہ بھی ہوتا ہے اور پریشانی بھی ـــــ دل میں یہی دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں اس کی عزت پر آنچ نہ آ جائے۔ بیٹیوں اور بہنوں سے خاندان کی عزت ہوتی ہے لیکن یہ بات آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ آپ مجھے شبراتن ـــــ نہیں ـــــ اسے

شبرات نہیں شبو کہیئے ——— آپ مجھے شبو کے متعلق کچھ بتائیے۔"

"میں کیا بتاؤں بیٹا ——— اس سے بچھڑے پورے سات برس ہوگئے۔ جب وہ چودہ برس کی تھی، تب میں نے اسے دیکھا تھا وہ اتنی خوب صورت تھی، اتنی خوب صورت تھی جیسے گدڑی میں لعل ہوتا ہے اگر اس کوٹھی میں آکر ریشمی لباس پہن لے تو کسی ریاست کی شہزادی لگے گی . . . . "

باپ بیٹی کی تعریفیں کر رہا تھا اور نواز صاحب اپنی بہن کا ایک خیالی خاکہ اپنے ذہن میں بنا رہے تھے۔ کتنا عرصہ گزر گیا تھا کہ انہوں نے ماں کی محبت اور بہن کا پیار نہیں دیکھا تھا۔ سب جیتے جی بچھڑ گئے تھے وہ بھی رشتے داروں سے ایسے بدظن ہوگئے تھے کہ نانا کی وفات کے بعد تمام عزیز و اقارب سے دور کی دوستی رکھی تھی۔ کبھی عید شبرات کے موقعوں پر ان سے مل لیا کرتے تھے۔

لیکن آج باپ کو دیکھ کر یہ امید ہوگئی تھی کہ ماں اور بہن بھی مل سکتی ہیں، ان کے دم سے اس کوٹھی کی ویرانی دور ہو سکتی ہے۔ انہوں نے پوچھا۔

"آپ نے آخری بار انہیں کہاں چھوڑا تھا؟"

"کوٹڑی میں ــ؟"

انہوں نے اپنی رسٹ واچ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہم ابھی کوٹڑی جائیں گے۔ آپ آدھے گھنٹے کے اندر غسل کر کے کپڑے تبدیل کیجئے۔"

انہوں نے ملازم کو بلایا اور اس سے کہا کہ سلیم احمد کو الماری سے کوئی لباس پہننے کے لئے دے دے اور ان کے لئے ایک کمرہ کھول دے۔

ان کے جانے کے بعد نواز صاحب نے اپنی سوتیلی ماں کی جانب دیکھا اور کہا۔

"اس وقت میں کوٹڑی جا رہا ہوں۔ صبح آپ کے اور بچے کے کپڑے بازار سے آجائیں گے۔"

سوتیلی ماں نے سر جھکا کر کہا۔

"بیٹا ——— ! جب انہوں نے مجھ سے نکاح کیا تو مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ میں کسی پر سوکن بن رہی ہوں۔ یہ بات مجھے آج معلوم ہوئی ہے ——— میں تمہارے سامنے شرمندہ ہوں کہ تمہاری امی کی سوکن بن گئی ہوں۔"

نواز صاحب نے نرمی سے کہا۔

"آپ کا کوئی قصور نہیں ہے۔ غلطی میرے ابا جان کی ہے۔ بہر حال اس غلطی کو شرافت سے نبھانا ہمارا اخلاقی فرض ہے۔ آپ یہاں اطمینان

سے رہیئے۔ میں اپنی امی کی طرح آپ کی عزت کروں گا اور آپ کی ہر ضرورت کا خیال رکھوں گا۔"

"یہ تمہاری شرافت اور سعادت مندی ہے بیٹا ـــــ ورنہ لوگ تو سوتیلی ماں کے نام سے ہی نفرت کرتے ہیں۔"

"آپ کو مجھ سے نفرت نہیں ملے گی۔ آیئے۔ اپنے کمرے میں چلیے۔"

وہ ان کے ساتھ اس کمرے میں آ گئے۔ جو سلیم احمد کے لئے کھولا گیا تھا۔

آدھے گھنٹے کے بعد وہ سلیم احمد کے ساتھ کار میں بیٹھ کر کوٹڑی کی طرف روانہ ہو گئے۔

رات کے ساڑھے گیارہ بجے وہ کوٹڑی پہنچے تو اس چھوٹے سے شہر کے لوگ نیند میں ڈوبے ہوئے تھے۔ سلیم احمد انہیں بابو لوہار کے مکان پر لے گیا۔

دروازہ کھٹکھٹانے پر ایک شخص باہر آیا۔ وہ بابو لوہار نہیں تھا۔ سلیم احمد اسے پہچانتا تھا۔

اس نے پوچھا۔

"کیا بابو لوہار یہاں نہیں رہتا ہے؟"

"نہیں جی ـــــ میں یہاں دو سال سے رہتا ہوں۔ شاید مجھ سے

پہلے رہتا ہو گا۔ میں نہیں جانتا۔ وہ سامنے والے مکان میں ایک بڑھیا رہتی ہے ـــــ وہ اس محلے کی پرانی عورت ہے ـــــ اس سے پوچھ لیجئے۔"

سلیم احمد سامنے والے دروازے پر جا کر دستک دینے لگا۔

بہت دیر تک دروازہ پیٹنے کے بعد ایک بڑھیا بڑبڑاتی ہوئی باہر آئی۔

"کیا قیامت آ گئی ہے۔ یہ محلے والے چین سے سونے بھی نہیں دیتے۔"

سلیم احمد نے کہا۔

"ماں جی ـــــ ہم محلے والے نہیں ہیں۔ کراچی سے بابو لوہار کا پتہ پوچھنے آئے ہیں۔"

"بابو لوہار ـــــ؟" بڑھیا نے کہا ـــــ "ارے آدھی رات کو کتنے پرانے مردے اکھاڑنے آئے ہو۔ اسے تو یہاں سے گئے تین سال ہو گئے ہیں۔"

"وہ لوگ کہاں گئے ہیں؟"

"لاہور گئے ہیں۔ کہتے تھے جا کر خط لکھیں گے۔ مگر آنکھ سے دور تو دل سے دور ـــــ کون کسی کو خط لکھتا ہے۔ آجکل پوسٹ کارڈ بھی مہنگا ہو گیا ہے۔"

سلیم احمد نے پوچھا۔

"کیا ان کے ساتھ سلمہ بھی گئی ہے؟

"کون سلمہ — ؟"

"وہی جس کی بیٹی کا نام شبراتن تھا۔ دونوں ماں بیٹی بابو لوہار کے ہاں رہتی تھیں۔"

"ارے ہاں —— سلمہ —— یاد آیا۔ بے چاری بڑی مصیبت زدہ تھی۔ بیٹی کی شادی کرنے کے دو مہینے بعد مرگئی۔

"اوہ —— !" نواز صاحب کے دل میں ایک چوٹ سی لگی۔ ماں کا پتہ ملا۔ مگر اس کا دیدار نصیب نہ ہوا۔

انہوں نے پوچھا۔

"شبّو کی شادی کہاں ہوئی ہے؟"

"کون شبو — ؟"

سلیم احمد نے جلدی سے کہا۔

"وہی شبراتن —— سلمہ کی بیٹی شبراتن کہاں بیاہ کر گئی ہے؟"

"کراچی گئی ہے —— کوئی بہت بڑا آدمی تھا۔ ذرا بوڑھا تھا مگر پیسے والا تھا۔ بڑھاپے کو کون دیکھتا ہے۔ یہی بہت ہے کہ لڑکی عیش و آرام سے رہتی ہوگی۔"

"کیا آپ شبراتن کے سسرال کا پتہ جانتی ہیں؟"

"ارے میں عورت ہوں لیٹر بکس نہیں ہوں کہ میرے پیٹ میں سب کا پتہ لکھا ہوگا —— کیوں میری نیند خراب کر رہے ہو —— آخر تم لوگ کون ہو؟ —— کیوں اس کا پتہ پوچھ رہے ہو — ؟"

سلیم احمد نے کہا۔

"میں شبراتن کا باپ ہوں۔"

"کیا —— ؟" بڑھیا نے حیرت سے پوچھا —— "تو شبراتن کا باپ ہے؟"

"جی ہاں — !"

"کیا تو سلمہ کا خاوند ہے؟"

"جی ہاں — !"

"ارے تیرے منہ پر جھاڑو پھرے —— تجھ پر ہزار لعنت —— شرابی —— جواری —— بدمعاش —— اتنی وفادار عورت کو گھر سے بے گھر کر دیا —— چل نکل یہاں سے —— تھو ہے تجھ پر —— اتنے برس بعد آدھی رات کو ایسے پوچھنے آیا ہے جیسے بیوی کے نام سے لاٹری نکل آئی ہو —— جا

جا یہاں سے اپنا منہ کالا کر۔ ۔ ۔ ۔

اس نے کہا۔

اور ایک دھڑاکے سے دروازہ کو بند کر دیا۔

نواز صاحب نے گھور کر سلیم احمد کو دیکھا۔ وہ ندامت سے سر جھکا کر کار کی طرف جانے لگا۔

واپسی پر دونوں خاموش تھے۔

نواز صاحب اپنی والدہ کی موت پر افسوس کر رہے تھے لیکن دل کو ایک گونہ اطمینان بھی تھا۔ ــــ کہ ۔۔ ــــ جوان بہن در بدر کی نہیں ہوئی ــــ عزت آبرو سے بیاہ دی گئی ہے ــــ البتہ اپنے والد کی طرف سے دل میں نفرت پیدا ہو گئی تھی ــــ

پہلے تو انہوں نے سوچا کہ اپنے والد کی رہائش کا کسی دوسری جگہ انتظام کر کے انہیں اپنی نظروں سے دور کر دیں۔ لیکن پھر انہوں نے ارادہ بدل دیا۔ کیونکہ وہ ایک بار اپنی بہن کو دیکھنا چاہتے تھے۔ اور سلیم احمد کے بغیر اسے پہچان نہیں سکتے تھے۔

ایک بہن کی خاطر وہ باپ کی غلطیوں کو معاف کرنے پر مجبور تھے۔

رشتے داروں سے دور بھاگنے والا شخص رشتوں کی زنجیروں میں

جکڑ گیا تھا ــــ آج تک انہوں نے کسی غلط آدمی کو برداشت نہیں کیا تھا۔ لیکن اب انہیں معلوم ہوا تھا کہ خون کے رشتوں کی غلطیاں کس طرح نظر انداز کرنی پڑتی ہیں۔

انہوں نے ایک گہری سانس لی اور خاموشی سے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

میں کہانیاں لکھتے وقت اس امر کا خاص خیال رکھتی ہوں کہ اظہارِ محبت کے دوران ایسی دلچسپی اور ایسا تجسّس پیدا ہو کہ پڑھنے والوں کے دل دھڑکنے لگیں . . .

دوسری صبح نواز صاحب دفتر آئے تو ان کی آنکھوں میں نیند کا خمار تھا ـــــــ معلوم ہوتا تھا کہ تمام رات جاگتے رہے ہیں ـــــــ عزت اپنے کمرے میں تنہا تھی۔ اور کسی مسودے پر جھکی ہوئی سر کھپا رہی تھی۔ فرزانہ فہیم ابھی نہیں آئی تھی۔ ناصرہ کسی معروف خاتون کا انٹرویو لینے گئی تھی۔

نواز صاحب نے پوچھا۔

"کیا لکھ رہی ہیں ۔۔ ؟"

"اگلے شمارے کے لئے ایک نئی کہانی ہے۔"

"مکمل ہو گئی ۔"

"جی نہیں ——— ایک عجیب سچویشن آگئی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کہانی کو کس طرح آگے بڑھاؤں۔"

آگے بڑھنے کا کوئی نہ کوئی راستہ مل ہی جاتا ہے۔ نواز صاحب کو بھی کچھ دیر وہاں بیٹھنے اور باتیں کرنے کا موقعہ مل گیا۔

وہ عزت آرا کی میز کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئے۔

"ذرا مجھے بھی بتایئے کہ کیا سچویشن ہے۔ پہلے کہانی کی آؤٹ لائن سنا دیجئے۔"

عزت نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر کہا۔

"ایک ملازمت کرنے والی لڑکی کی کہانی ہے۔ وہ ایک ہوٹل کی کاؤنٹر گرل ہے۔ اس ہوٹل میں بڑے بڑے رئیس آکر قیام کرتے ہیں۔ ایسے ہی ایک رئیس زادے کو اس لڑکی سے دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے رئیس زادہ اسے دیکھ کر مسکراتا ہے۔ وہ بھی مسکراتی ہے۔ لڑکے کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کی مسکراہٹ میں کہاں تک سچائی ہے۔ کیونکہ کاؤنٹر گرل ہر روز، ——— ہر لمحہ ——— ہر مسافر کے لئے مسکراتی ہے۔ عورت کی مسکراہٹ جو خاص رشتوں اور خاص جذبوں کے لئے ہوتی ہے۔ اسے ہوٹل کے مالک نے ماہانہ چھ سو روپے کے عوض خرید کر اپنے گاہکوں کے لئے عام کر دیا تھا۔

ملازمت کرنے کے دوران سب سے پہلے عورت کی مسکراہٹ زخمی ہوتی ہے۔

رئیس زادہ مختلف بہانوں سے بار بار کاؤنٹر پر آنے لگا۔ ایک بار اس نے چائے کی دعوت دی۔ لڑکی نے دعوت قبول کر لی۔ اس نے دس بار دعوتیں دیں۔ اس نے دسوں بار قبول کیا۔ لیکن رئیس زادے کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس لڑکی کے دل میں اس کے لئے سوفٹ کارنر ہے یا نہیں؟

یہ خیال عام ہوتا ہے کہ ہوٹل میں کام کرنے والی لڑکیاں ہر مسافر کی دعوت قبول کرتی ہیں۔ ان کے ساتھ چائے پیتی ہیں۔ ڈنر کھاتی ہیں تاکہ ہوٹل کی سیل میں اضافہ ہو اور اس سیل کے حساب سے ہوٹل کا مالک انہیں کمیشن بھی دیتا رہے۔

لڑکی کے دل میں ایسا کوئی لالچ نہیں تھا۔ لیکن وہ کیا کرتی؛ زبان سے محبت کا اقرار اس لئے نہیں کیا تھا کہ رئیس زادے نے بھی کھل کر اقرار نہیں کیا تھا اور یہ تو محبت کا دستور ہے۔ پہلے خاموش اشاروں اور خاموش اداؤں سے پیار کی ابجد پڑھی جاتی ہے۔ زبان کی گرہیں بہت بعد میں کھلتی ہیں۔ اس لڑکی کی جھولی میں جتنے اشارے تھے اور جتنی ادائیں تھیں ان سب کو ملازمت کے بے حس لمحے چاٹ گئے

تھے۔

اب کہانی اس موڑ پر آکر رک گئی ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی دلی کیفیات سے بے خبر ہیں ——— رئیس زادے نے اسے ڈنر کے لئے مدعو کیا ہے اور سوچ رہا ہے کہ کس انداز سے بات چھیڑی جائے کھل کر یہ کہہ دینا کہ مجھے تم سے محبت ہے۔ ——— ایک سستا اور رومانی انداز ہے۔ مہذب اور تعلیم یافتہ لوگوں کے ذوق اور معیار کے مطابق محبت کا اظہار ہونا چاہیئے ——— میں کہانیاں لکھتے وقت اس امر کا خاص خیال رکھتی ہوں کہ اظہارِ محبت کے دوران ایسی دلچسپی اور ایسا تجسس پیدا ہو کر پڑھنے والوں کے دل دھڑکنے لگیں . . . . .

نواز صاحب تھوڑی دیر تک سوچتے رہے۔

پھر انہوں نے کہا۔

" کہانی میں پیار کی جستجو صرف رئیس زادے کو ہے۔ ہر بار اس کی طرف سے پہل ہوتی ہے ایک آدھ بار لڑکی کی طرف سے بھی کچھ حوصلہ افزائی ہونی چاہیئے۔"

انہوں نے سوالیہ نظروں سے عزت کو دیکھا۔

عزت نے مسودے پر نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔

" اس کہانی کا ماحول مغربی طرز کا ہے مگر کردار مشرقی ہیں اور ایک

مشرقی لڑکی خواہ کسی ماحول میں رہے وہ لجاہٹ کے خول سے باہر نہیں آتی۔ اس کی طرف سے حوصلہ افزائی کی توقع کرنا فضول ہے۔"

نواز صاحب گہری سانس لے کر پھر سوچ میں ڈوب گئے۔

وہ دونوں ہاتھوں کی کہنیاں میز پر ٹیک کر ذرا آگے کو جھک گئے تھے اور اپنے ہاتھ کی ایک انگوٹھی سے کھیل رہے تھے۔ کبھی اس انگوٹھی کو انگلی سے نکالتے تھے اور کبھی پھر اسے پہن لیتے تھے۔

پھر انہوں نے عزت کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

اور پوچھا۔

" رئیس زادے نے اسے ڈنر پہ مدعو کیا ہے ؟"

" جی ہاں ——— !" عزت نے جواب دیا۔

" سچویشن کو ایک انگوٹھی کے ذریعے پلٹ کر لیجیئے۔"

وہ اپنی انگوٹھی سے کھیلنے لگے۔

عزت نے انگوٹھی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

" کیسے ——؟"

" کچھ اس طرح کہ رئیس زادہ اس لڑکی کو اپنے دوست کا ایک واقعہ سناتا ہے۔

ایک بار اس کے دوست نے اپنی محبوبہ کے سامنے اپنی محبت کا اظہار

کیا۔ وہ بے حد شرمیلی تھی جو "ا" محبت کا اظہار نہ کر سکی۔ دوست نے اپنی انگلی سے انگوٹھی نکال کر اس کے سامنے رکھ دی۔ اور کہا کہ —— زبان بھی نہ ہلے اور اقرار بھی ہو جائے۔ اس کی ایک ہی صورت ہے۔ میں یہاں سے جاتا ہوں۔ تم اچھی طرح فیصلہ کرنے کے بعد اسے پہن لو۔ یا پھینک دو۔ صبح ناشتہ کی میز پر میں تمہارے ہاتھوں کو دیکھوں گا۔ اور تمہارے خاموش فیصلے کو سمجھ لوں گا۔

رئیس زادہ یہ واقعہ سنا کر اپنی انگوٹھی لڑکی کے سامنے رکھ دے گا اور وہاں سے چلا جائے گا۔ . . . "

عزت نے خوش ہو کر کہا۔

"بہت عمدہ آئیڈیا ہے —— لڑکی اس انگوٹھی کو دیکھ کر الجھن میں پڑ جائے گی کہ —— اسے قبول کرے یا نہ کرے۔"

نواز صاحب نے کہا۔

"ہاں —— دوسری طرف رئیس زادہ بے چین اور مضطرب ہوگا۔ صبح کے انتظار میں تمام رات سو نہیں سکے گا۔"

عزت نے جواب دیا۔

"لڑکی بھی ساری رات کروٹیں بدلتی رہے گی۔ کبھی اس انگوٹھی کو ہاتھ میں لے کر دیکھے گی۔ کبھی بستر سے اٹھ کر بیٹھ جائے گی اور کبھی اٹھ

بے چینی سے ٹہلنے لگے گی۔"

نواز صاحب نے مسرت بھرے لہجے میں کہا۔

"پھر صبح ناشتہ کی میز پر ملاقات ہو گی۔"

"ہاں ہاں۔ دونوں ایک دوسرے کے مقابل بیٹھیں گے۔"

"ہاں —— مقابل بیٹھیں گے۔ لیکن ان کے درمیان بڑی سی میز ہوگی —— لڑکی میز کے نیچے اپنا ہاتھ چھپانے کی کوشش کرے گی۔ لیکن رئیس زادہ اس کی انگلی میں اپنی جگمگاتی اور مسکراتی ہوئی انگوٹھی دیکھ لے گا۔"

عزت ان کی خوشی کو سنجیدگی سے دیکھتی رہی۔

پھر ہچکچاتی ہوئی بولی۔

"تم —— مگر وہ لڑکی انگوٹھی نہیں پہنے گی۔ . . . "

نواز صاحب کی خوشی یک لخت ہوا ہو گئی۔

"کیا مطلب —— کیا وہ رئیس زادے کو پسند نہیں کرتی ہے؟"

"کرتی ہے۔"

انہوں نے میز پر گھونسہ مار کر پوچھا۔

"پھر وہ انکار کیوں کرتی ہے؟ —— انگوٹھی قبول کیوں نہیں کرتی؟"

عزت نے بڑے ہی ٹھہرے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

" اس لئے کہ اس لڑکی نے ہوٹل کے مالک سے بیس سال کا اگ کیا ہے کہ وہ کنواری رہے گی۔"

" یہ کیسا اگریمنٹ ہے میں نے کبھی ایسے اگریمنٹ کے متعلق نہیں یہ فضول سی بات ہے۔"

عزت نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔

" یہ فضول سی بات نہیں ہے —— میں نے ایسی عورتوں کو دیکھا ہے جو چالیس برس اور پچاس برس کی عمر تک کنواری رہ چکی تھیں۔ کم عورت نے کہا کہ وہ بھائی کو اعلےٰ تعلیم دلانے کے لئے ملازمت کرتی رہ کسی نے چھوٹی بہنوں کو سہاگن بنانے کے لئے اپنی آرزوؤں اور ارمانوں گلا گھونٹ دیا۔

ایک عورت اپنے اندھے باپ کی آنکھوں کا علاج کرانے کے لئے پیسے جمع کرتی رہی۔ جب پیسے جمع ہو گئے تو پتہ چلا کہ آنکھیں اس وقت تک بیکار ہو گئی ہیں۔ بینائی واپس نہیں آسکتی۔ اب اس نے آئی بینک میں درخواست دی ہے۔ کسی ہمدرد سے آنکھوں کا عطیہ مل گیا تو اس کے باپ کی بینائی واپس آجائے گی —— کب آئے گی؟ —— یہ نہیں معلوم —— وہ پانچ سال سے انتظار کر رہی ہے۔

یہ عورتیں جو ملازمت کرنے کے لئے گھر سے نکلتی ہیں تو اس لئے نہیں نکلتیں کہ انہیں اپنے سنگار کے لئے پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے —— میں نہیں کہتی کہ ایسی عورتیں نہیں ہوتیں۔ ایسی خودغرض عورتیں بھی ہوتی ہیں جو چلتا پھرتا اشتہار بن کر شریف عورتوں کو بدنام کرتی ہیں۔ میں جن کے متعلق کہہ رہی ہوں، آپ انہیں بھی جاننے اور سمجھنے کی کوشش کریں۔ ایسی عورتیں اپنے رشتوں اور اپنی محبتوں کے لئے ساری زندگی کا معاہدہ کرتی ہیں اور اپنی جوانی کو ملازمت کی بھٹی میں جھونک کر بڑھاپے کی دہلیز تک پہنچ جاتی ہیں۔

میری کہانی میں جو لڑکی ہے۔ وہ بھی مجبور تھی اس کے چھوٹے چھوٹے بھائی بہن دو دو وقت کے فاقے کرتے تھے۔ گھر میں کوئی کمانے والا نہ تھا۔ ہوٹل کے مالک کو وہ خوب صورت لڑکی پسند آگئی۔ اسے کاؤنٹر گرل کے لئے ایک ایسی ہی لڑکی کی ضرورت تھی جس کی مسکراہٹ کنواری ہو اور جس کے چہرے پر ہمیشہ کنوارے پن کی تازگی ہو اور جسے دیکھ کر مسافر دوسرے ہوٹلوں کا راستہ بھول جائیں۔

ہوٹل کا مالک اگر اس سے بیس سال کا اگریمنٹ نہ کرتا۔ تب بھی وہ رئیس زادے سے شادی نہ کرتی۔ اپنے بھائی بہنوں کو اپنے سسرال والوں کے رحم و کرم پر نہ چھوڑتی —— کوئی عورت نہیں کہہ سکتی کہ

شادی کے بعد خاوند کا رویہ کیسا ہوگا اور سسرال والے اس کے بھائی بہن تک اسے پہنچنے بھی دیں گے یا نہیں . . . .

ایک ملازمت کرنے والی لڑکی اپنے مستقبل سے زیادہ اپنے عزیزوں اور رشتے داروں کے مستقبل کے متعلق سوچتی ہے اور ان کی خوشیوں کے مطابق فیصلے کرتی ہے۔

اس لڑکی نے بھی یہی فیصلہ کیا اور اسی لئے اس نے انگوٹھی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

ہر انسانی زندگی میں کبھی نہ کبھی ایک بہترین موقعہ آتا ہے۔ ایک لڑکی اس بہترین موقعہ کو ٹھکرا کر کس طرح جیتے جی مرتی ہے اور کس طرح مر مر کر زندہ رہتی ہے —— یہ اسکینڈل تراشنے والے لوگ نہیں جانتے . . . . "

نواز صاحب کا دل ڈوبنے لگا۔

انہیں محسوس ہوا کہ اس لڑکی کی کہانی میں عزت آرا کی اپنی کہانی بھی چھپی ہوئی ہے۔ چھپنے کو تو اب تک بہت سی باتیں چھپی ہوئی تھیں وہ یہ بھی نہیں جانتے تھے، کہ ملازمت کرنے والی خواتین کے مسائل اس قدر توجہ طلب ہو سکتے ہیں۔

کیا عزت آرا بھی ایسے ہی کسی اہم مسئلے سے اُلجھی ہوئی ہے؟

یہ سوال نواز صاحب کے ذہن میں چبھ رہا تھا۔

ان کی معلومات کے مطابق عزت کی صرف ایک بوڑھی والدہ اور ایک بھائی تھا۔ ان کے علاوہ کسی رشتہ دار کا بوجھ اس کے سر پر نہیں تھا یعنی وہ اپنی کہانی کی ہیروئن کی طرح مجبور نہیں تھی اور اپنے مستقبل کا فیصلہ اپنی مرضی سے کر سکتی تھی۔

انہوں نے سر جھکا کر کہا۔

" کہانی کا انجام المناک نہیں ہونا چاہیئے —— پڑھنے والے اپنے ذہن پر ایک بوجھ سا محسوس کرتے ہیں، آپ اگر چاہیں تو اس کہانی میں تھوڑی سی ترمیم کر سکتی ہیں۔ اس لڑکی کو انگوٹھی قبول کرنے پر مجبور کر سکتی ہیں۔"

" مم —— مگر . . . "

عزت نے کچھ کہنا چاہا، انہوں نے جلدی سے بات کاٹ کر کہا۔

" مگر وگر کچھ نہیں —— آپ بحث کرنے سے پہلے میرے مشورے پر غور کر لیجئے —— اور کل مجھے اس کا انجام سُنا دیجئے۔"

" کل —— مگر کل تو سنڈے ہے —— آفس بند رہے گا۔"

نواز صاحب اُٹھ کر کھڑے ہو گئے ـــــ اور وہاں سے جاتے ہوئے بولے۔

"کل صبح دس بجے آفس کھلا رہے گا ـــــ میں آپ کا انتظار کروں گا۔"

وہ دروازے پاس پہنچ کر رک گئے۔

پھر وہاں سے پلٹ کر بولے۔

"وہ انگوٹھی لڑکی تک پہنچ گئی ہے ـــــ اس لڑکی کو سمجھایئے ـــــ کہ زندگی کے اس بہترین موقعہ کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔"

یہ کہہ کر وہ دفتر سے باہر چلے گئے۔

وہ تھوڑی دیر تک بند دروازے کو دیکھتی رہی۔ ان کی باتوں کو سمجھنے کی کوشش کرتی رہی، پھر وہ مسودے کی طرف توجہ دینے کے لئے میز پر جھک گئی۔

میز پر وہ سونے کی انگوٹھی مسکرا رہی تھی

وہ چونک کر کرسی پر سیدھی ہو گئی ـــــ اور حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔

وہ انگوٹھی تو نواز صاحب نے پہنی ہوئی تھی۔

انہوں نے کہا تھا کہ وہ رئیس زادہ ڈائننگ ٹیبل پر اس لڑکی کے سامنے انگوٹھی چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔

اور ـــــ نواز صاحب خود ہی اس کے سامنے میز پر اپنی انگوٹھی چھوڑ کر چلے گئے۔

عزت کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

رئیس زادہ دوسری صبح اس لڑکی کو ناشتہ کی میز پر بلاتا ہے اور نواز صاحب نے دوسری صبح اسے دفتر میں بلایا تھا اور بڑے ہی پُرامید لہجے میں کہا تھا کہ میں آپ کا انتظار کروں گا۔

عزت کی آنکھوں میں خوابوں کا خمار جاگنے لگا۔

انہوں نے کہا تھا کہ اس لڑکی کو سمجھایئے۔ زندگی کے اس بہترین موقعہ کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔۔۔

بہترین موقعہ۔۔۔!

عزت کا دل انگوٹھی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

بہترین موقعہ ـــ!

اس کے ہاتھ آہستہ آہستہ لرزتے ہوئے اور کانپتے ہوئے اس انگوٹھی تک پہنچ گئے۔

اس کی انگلیوں نے اسے چھو لیا۔

وہ طلسمی انگوٹھی تھی۔ اس انگوٹھی کو پہن کر وہ نواز صاحب کے دل کی رانی اور ایک شاندار کوٹھی کی مالکہ بن سکتی تھی۔ نانی جان اور دادی جان نے جو خواب دکھائے تھے، ان کی تعبیر آج وہ دیکھ سکتی تھی۔

بس —— وہ جادوئی انگوٹھی پہننے کی دیر تھی۔

میں کہانیاں لکھتی ہوں اس دنیا
کے کرداروں کو مجھ سے زیادہ کون سمجھے گا۔
آپ زندگی کے جس موڑ سے گزر رہے ہیں۔
اس موڑ پر بڑی بڑی سبق آموز کہانیاں
تخلیق ہوتی ہیں۔

عزت دور کھڑی ہوئی اپنے بستر کو دیکھ رہی تھی۔

اس بستر پر وہ روز ہی سویا کرتی تھی۔ جو روزانہ کے استعمال کی چیز ہو۔ اسے کوئی توجہ سے نہیں دیکھتا۔ کیونکہ وہ چیز کثرت استعمال سے پرانی اور بیزار کن ہوجاتی ہے لیکن وہ اپنے بستر کو تکے جا رہی تھی۔

ویسے ایک بات ہے۔ کنواری لڑکیوں کا بستر کبھی پرانا اور بیزار کن نہیں ہوتا ـــــ وہ ہر رات اس پرانے بستر پر سوتی ہیں۔ اور نئے نئے خواب دیکھتی ہیں ـــــ بستر کی اہمیت نہیں ہوتی، خوابوں کی اہمیت ہوتی ہے۔

مگر بعض اوقات خوابوں سے پہلے بستر کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔

اس بستر پر تکیہ کے اوپر نواز صاحب کی انگوٹھی رکھی ہوئی تھی۔

وہ انگوٹھی ایک پھول تھی اور اس بستر کو پھولوں کی سیج بنا رہی تھی۔

وہ انگوٹھی نہیں تھی۔ نواز صاحب تھے اور اس کے خوابوں کی تعبیر کے لئے اسے اپنے قریب بلا رہے تھے۔

وہ شرماتی لجاتی ہوئی اس طرح بستر پر آگئی جیسے دلہن سہاگ کی سیج پر آتی ہے۔ پھر وہ آہستہ آہستہ تکیہ پر جھکی اور اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے انگوٹھی کی مسکراہٹ پر اپنے سلگتے ہوئے رخسار کو رکھ دیا۔

اس کے رخسار نواز صاحب کے سینے پر رکھے ہوئے تھے۔ وہ اپنے دل کی دھڑکنوں کے ساتھ ان کے دل کی دھڑکنیں بھی سن رہی تھی، وہ پیار بھری سرگوشی میں کہہ رہے تھے۔

"عزت ـــــ میری عزت!

میں نے یہ انگوٹھی جان بوجھ کر تمہارے سامنے چھوڑ دی تھی۔

میں دیکھنا چاہتا تھا کہ تم محبت کے اس تحفہ کو قبول کرتی ہو یا نہیں

تم نے قبول کرکے اس انگوٹھی کی عزت بڑھادی ہے۔ ۔ ۔ ۔"

عزت آنکھیں بند کئے تکیہ پر اس طرح اپنی ہتھیلی پھیرنے لگی جیسے نواز صاحب کے چوڑے چکلے سینے کو سہلا رہی ہو ـــــ اس نے جذباتی

لہجے میں کہا۔

"میں کیسے قبول نہ کرتی۔ یہ انگوٹھی آپ کی محبت کا پہلا اظہار ہے یہ انگوٹھی ایک کنجی ہے ـــــ اس کنجی سے میں اپنے مستقبل کے دروازے کھول سکتی ہوں اور سہاگن بن کر ان دروازوں سے گزر سکتی ہوں۔"

دھیمی سی سرگوشی سنائی دی۔

"تو پھر دیر کس بات کی ہے۔ اس انگوٹھی کو اپنی انگلی میں سجالو۔"

اس نے آنکھیں کھول دیں اور شرماتی ہوئی اور مسکراتی ہوئی اسے دیکھنے لگی۔

صبح کو یہ نواز صاحب کی انگلی میں تھی اور اب اس کی انگلی میں آنا چاہتی تھی۔

اس نے جھجکی سے اسے اٹھا کر اپنی ہتھیلی پر رکھ لیا۔

اسے اب انگلی میں پہن لینا چاہیئے تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں اسے عجیب سا لگ رہا تھا۔ اسے کچھ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ انگوٹھی اسکی اپنی ہونے ہوئے بھی پرائی ہے۔

شاید وہ انگوٹھی بھول سے اس کے پاس چلی آئی ہے۔

نواز صاحب گفتگو کے دوران اسے بھول کر چلے گئے ہیں۔ جیسے

ایک بار وہ اپنا قلم میز پر بھول کر چلے گئے تھے۔ ـــــ جیسے ایک بار وہ دفتر سے نکلتے وقت اپنی کار کی چابی بھول کر چلے گئے تھے اسی طرح شاید اپنے دوست کی کہانی سناتے سناتے وہ انگوٹھی بھول کر چلے گئے ہیں۔

عزت کے مسکراتے ہوئے چہرے پر اداسی چھاگئی۔

یہ عجیب محبت تھی کہ دونوں ایک دوسرے سے دلچسپی رکھتے تھے مگر اپنی چاہت کا اظہار کرتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ عزت اس لئے جھجکتی تھی کہ نواز صاحب اس کی حیثیت سے بہت اونچے تھے۔

زمین پر کھڑی ہو کر آسمان کو چھونے والا احمق کہلاتا ہے ـــــ اگر وہ نواز صاحب کو چھونے کی پہل کرتی تو وہ اسے احمق کہہ سکتے تھے۔

دوسری جانب نواز صاحب بھی ذرا محتاط تھے۔ ان میں کچھ جھجک تھی اور کچھ اپنے مرتبے کا خیال تھا۔ وہ سوچتے تھے کہ اگر انہوں نے اپنی محبت کا اظہار کیا اور عزت نے انکار کر دیا تو یہ توہین وہ برداشت نہیں کر سکیں گے۔

پھر یہ کہ عزت نے کہانی پر بحث کرتے ہوئے کہا تھا کہ محبت کے اظہار کے لئے سستا اور عامیانہ انداز نہیں ہونا چاہیئے بلکہ مہذب اور

تعلیم یافتہ لوگوں کے ذوق اور معیار کے مطابق کوئی پیارا سا انداز اختیار کرنا چاہیئے۔

یہ بات عزت نے کہانی کے کرداروں کے لیے کہی تھی۔ لیکن سمجھنے والوں کے لئے اشارہ کافی ہوتا ہے۔ اس لئے دونوں ایک دوسرے کے اشاراتی انداز کو سمجھتے ہوئے کچھ زیادہ ہی معیاری راستہ اختیار کر رہے تھے اور اس کا نتیجہ بھگت رہے تھے۔

بہر حال عزت فیصلہ نہ کر سکی کہ وہ جان بوجھ کر انگوٹھی اس کے لئے چھوڑ گئے ہیں یا بھول کر چلے گئے ـــــ جاتے جاتے انہوں نے کل صبح دفتر آنے کے لئے کہا ہے ـــــ دفتر میں اتوار کو ملنا ـــــ تنہائی میں ملنا ـــــ انگوٹھی کی کہانی سنا کر انگوٹھی بھول جانا ـــــ یہ سب اشارے سمجھ میں آتے تھے۔ لیکن یہ اشارے کسی آخری فیصلہ تک نہیں پہنچاتے تھے۔

ایسے حالات کب تک رہیں گے۔ امید اور نا امیدی کے درمیان سانس لینے سے سکون نہیں ملتا۔ وہ اپنے نصیبوں سے سہاگن بن سکے گی یا نہیں ـــــ یہ بعد کی بات ہے۔ لیکن پہلے ان کی محبت کا یقین تو ہو جانا چاہیئے۔

دروازے پر آہٹ سن کر اس نے جلدی سے مٹھی بند کر لی جس

لی ہوئی انگوٹھی کو اپنی مٹھی میں چھپا لیا اور پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔

دروازے پر فرہاد کھڑا ہوا تھا۔

وہ قریب آتے ہوئے بولا،

"تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟"

"جی ـــــ جی ہاں ـــــ نیند نہیں آ رہی۔"

"مجھے بھی نیند نہیں آ رہی ہے۔ دل میں کوئی بات اٹک کر رہ جائے اور زبان پر نہ آ سکے تو نیند نہیں آتی۔"

عزت چونک کر اسے دیکھنے لگی ـــــ فرہاد اس کے دل کی ترجمانی کر رہا تھا۔

وہ جھجکتی ہوئی بولی

"مم ـــــ میں سمجھی نہیں ـــــ ایسی کون سی بات ہے، جو زبان پر نہیں آ سکتی۔"

"بہت سی باتیں ہوتی ہیں۔ جو اپنے بزرگوں کے سامنے نہیں کہی جا سکتیں۔"

وہ اس کے قریب پلنگ پر بیٹھ گیا۔

"آج میں نے سوچا تھا کہ امی سے بات کروں گا ـــــ مگر

همت نہ ہوئی ——— تم میری چھوٹی بہن ہو ——— تم ہی میری طرف سے انہیں سمجھا دو۔"

عزت نے ایک گہری سانس لی ——— اسے اطمینان ہو گیا کہ فرہاد اس کے دل کی ترجمانی نہیں کر رہا ہے۔ بلکہ اپنے دل کی بات کہہ رہا ہے۔

"بھائی جان ——— ! وہ کون سی بات ہے کہ آپ امی سے نہیں کہہ سکتے ؟"

"اپنی شادی کی بات ہے ———" وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

عزت نے خوش ہو کر اس کے بازو کو تھام لیا اور پیار سے جھومتی ہوئی بولی۔

"ہائے اللہ ! اتنی خوشی کی بات ہے اور آپ ٹھنڈی سانس لے کر کہہ رہے ہیں !"

"وہ اس لئے عزت ——— کہ اس خوشی کے ساتھ ناکامی کا بھی خدشہ ہے اور وہ خدشہ امی کی طرف سے ہے۔ سوچتا ہوں کہیں وہ انکار نہ کر دیں۔"

"ارے واہ ——— وہ کیوں انکار کریں گی۔ وہ تو خوشی سے پاگل

ہو جائیں گی۔"

اس نے مایوسی سے کہا۔

"نہیں عزت ——— امی کو لڑکی پسند نہیں آئے گی۔"

وہ پورے یقین سے بولی۔

"آئے گی ——— اور ضرور پسند آئے گی۔ مجھے تو شبنم بھابھی بہت اچھی لگتی ہے۔"

"کیا ——— ؟ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا ——— "نت ——— تم نے کیسے سمجھ لیا کہ میں ——— میں شبنم سے ——— میرا مطلب ہے کہ میں اسے پسند کر چکا ہوں۔"

وہ ہنسنے لگی۔

"بھائی جان ——— ! میں کہانیاں لکھتی ہوں۔ اس دنیا کے کرداروں کو مجھ سے زیادہ کون سمجھے گا ——— آپ زندگی کے جس موڑ سے گزر رہے ہیں۔ اس موڑ پر بڑی بڑی سبق آموز کہانیاں تخلیق ہوتی ہیں۔

یہ تو آپ پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ آپ جو کاروبار کر رہے ہیں۔ اس میں شبنم کا پیسہ ہے اور آپ کی محنت ہے۔ مجھے شبنم کے کردار کی یہ خوبی پسند تھی کہ وہ اپنے سینے میں ایک دردمند دل رکھتی ہے اور دوسروں

کے کام کرتی ہے۔ لیکن آپ کی طرف سے اندیشہ تھا کہ اس کی بدنامیوں کی وجہ سے آپ زیادہ عرصہ تک اس کے ساتھ کاروبار میں شریک نہیں رہیں گے۔

"بھائی جان! شبنم کا ماضی کیا ہے —— یہ میں نہیں جاننا چاہتی ایک مصنف کے ذہن سے میں نے سمجھ لیا ہے کہ اس کی موجودہ زندگی ایک پاکیزہ عورت کی زندگی ہے اگر آج بھی اس میں کھوٹ ہوتا تو آپ اسے کبھی قبول نہیں کرتے . . . ."

فرہاد بے اختیار اس سے لپٹ گیا۔

"تم کتنی اچھی بہن ہو —— کتنا اچھا ذہن ہے تمہارا —— کاش کہ ساری دنیا اس نہج پر سوچتی —— اور اس کے ماضی کو بھول جاتی۔"

"نہیں بھائی جان —— ! دنیا اس کے ماضی کو نہیں بھولے گی۔ ہم اور آپ بھول سکتے ہیں —— میں نے ابھی کہا ہے نا کہ آپ شبنم کے ساتھ زندگی کے جس موڑ سے گزر رہے ہیں۔ اس موڑ پر بڑی بڑی سبق آموز کہانیاں جنم لیتی ہیں —— ہم اس کہانی کو پورے خلوص اور ایمان سے مکمل کریں گے۔ شبنم اس گھر کی عزت بن کر ضرور آئے گی۔"

"عزت —— ! تم میرا حوصلہ بڑھا رہی ہو، مگر پھر وہی بات آڑے آتی ہے کہ مور خوشی میں ناچتے ناچتے اپنے پاؤں دیکھ کر مایوس ہو جاتا ہے —— تم ہی بتاؤ نا! —— امی کو جب یہ معلوم ہو گا تو وہ کیا فیصلہ سنائیں گی۔"

"وہ راضی ہو جائیں گی۔"

"وہ راضی نہیں ہوں گی۔"

"میں کہتی ہوں ہو جائیں گی۔"

"میں کہتا ہوں نہیں ہو گی۔"

دوسرے کمرے سے انہیں اپنی والدہ کی آواز سنائی دی۔

"کیا آدھی رات کو شور مچا رہے ہو —— چپ چاپ سو جاؤ۔ مجھے بہو پسند ہے . . . ."

دونوں ایک ساعت کے لئے سکتہ کی حالت میں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر اچانک وہ دوڑتے ہوئے اپنے کمرے سے نکلے۔ اور دوسرے کمرے میں آئے اور والدہ کے بستر پر گر کر ان سے لپٹ گئے۔ ان سے لپٹنے کے دوران عزت کی مٹھی کھل گئی اور انگوٹھی والدہ کی گود میں گر گئی —— ایک بھابھی آنے کی خوشی ایسی تھی کہ وہ وقتی طور پر بھول گئی کہ اس کی مٹھی میں کوئی چیز دبی ہوئی تھی۔ لیکن اب وہ اپنی

خوشی بھول گئی اور پریشان ہو کر اسے تلاش کرنے لگی۔

کمرے میں اندھیرا تھا —— صرف اتنی سی روشنی تھی جو دوسرے کمرے کی لائٹ سے میسر ہو رہی تھی —— فرہاد اپنی والدہ کی خوشامد کر رہا تھا —— اور ان کی تعریفیں کئے جا رہا تھا —— عزت اپنے آس پاس بستر کو ہاتھ سے ٹٹول کر انگوٹھی کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

اس کی والدہ نے کہا۔

" بیٹا —— ! تمہیں شبنم اتنی پسند آئی کہ ماں سے پوچھے بغیر منگنی کا سامان کر لیا۔"

" نہیں امی ! —— آپ سے پوچھے بغیر میں منگنی کی تیاری کیسے کر سکتا ہوں۔"

" جھوٹا کہیں کا —— یہ دیکھ —— دلہن کے لئے انگوٹھی لے کر آیا ہے اور مجھ سے چھپاتا ہے۔"

عزت کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔

وہ کبھی ماں کو دیکھ رہی تھی، جس کے ہونٹوں پر اپنی بہو کے لئے مسکراہٹ تھی اور کبھی بھائی کو دیکھ رہی تھی جو حیرانی سے انگوٹھی کو دیکھ رہا تھا۔

وہ کش مکش میں مبتلا ہو گئی۔

وہ کیسے کہے کہ انگوٹھی اس کی ہے —— اسے نواز صاحب نے تحفہ دیا ہے۔

کیا وہ اسے قبول کر لیں گے۔ ایک غیرت مند بھائی اور ایک بوڑھی ماں کے دل پر کیا گزرے گی، جب انہیں معلوم ہوگا کہ اس نے ایک غیر مرد سے سونے کی انگوٹھی لی ہے۔

کیوں لی ہے —— ؟

اگر نواز صاحب یہ انگوٹھی پہنانا چاہتے تھے تو انہیں دستور کے مطابق لڑکی کے گھر آنا چاہیے تھا۔

اور اگر عزت نے اسے قبول کیا ہے تو پہلے اسے اپنی والدہ کی رضامندی حاصل کرنی چاہئے تھی —— جب بھائی نے اپنی والدہ کی رضامندی کے بغیر فیصلہ نہیں کیا تھا تو بہن نے کیوں کر لیا —— ؟

وہ ایک مجرمہ کی طرح گم صم ہو کر انگوٹھی کو دیکھتی ہی رہ گئی۔

فرہاد نے کہا۔

" یہ انگوٹھی میری نہیں ہے۔"

" ارے ہاں —— میں جانتی ہوں تیری نہیں ہے، تیری دلہن کے

نئے آئی ہے ——— میرے سامنے کہتے ہوئے شرماتا ہے۔ اب لے ہی آیا ہے تو اسے رکھ لے ——— کل میں خود ہی جا کر اپنی بہو کو پہناؤں گی۔"

فرہاد اچانک مسکرانے لگا ——— اس نے یہ سمجھا کہ اس کی والدہ نے کسی خیالی بہو کے لئے پہلے سے انگوٹھی بنوا رکھی تھی۔ دوسرے کمرے سے شبنم کی باتیں سن کر وہ اس انگوٹھی کو لے کر بیٹھ گئی تھیں۔ تاکہ بیٹا خوشی سے پیار جتانے آئے تو اسے دلہن کے لئے یہ تحفہ دیدے۔

اس نے مسکرا کر انگوٹھی لیتے ہوئے کہا۔

"امی ——— ! آپ تسلیم نہیں کریں گی کہ یہ انگوٹھی آپ لے کر آئی ہیں ——— چلیئے میں ہی تسلیم کر لیتا ہوں ——— فرق کیا پڑتا ہے۔"

"شریر کہیں کا ——— اپنی ہی بات منوائے گا ——— اچھا جا ——— اب جا کر سو جا ——— کل میں منگنی کی رسم ادا کر دوں گا۔"

"کل نہیں امی ——— پرسوں . . . ."

"کل کیوں نہیں ——— ؟"

"وہ بات یہ ہے کہ میں نے شبنم کے لئے ایک نیا مکان کرائے پر

لیا ہے۔ کل وہ نئے مکان میں منتقل ہو گی۔ اس لئے آپ اور عزت پرسوں چلیں گی تو بہتر ہو گا۔"

"چلو جیسے تمہاری مرضی ——— ہم پرسوں ہی جائیں گے۔"

عزت جلدی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

اور بولی۔

"بھائی جان ——— ! انگوٹھی مجھے دیجئے میں رکھتی ہوں۔"

اس نے فوری طور پر فیصلہ کیا تھا کہ بھائی سے انگوٹھی لے گی ——— کل صبح نواز صاحب کو واپس کرے گی اور گھر میں کہہ دے گی کہ وہ کہیں گم ہو گئی ہے۔

فرہاد نے ہاتھ بڑھا کر کہا۔

"لو ——— تم ہی رکھو!"

عزت نے اسے لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ لیکن اس کی والدہ نے روک دیا۔

"نہیں بیٹا ——— ! عزت کو نہ دو۔ یہ کہانیاں لکھنے والی لڑکیوں کا دماغ ہمیشہ غیر حاضر رہتا ہے۔ اسی لئے تو میں اس سے کھانا نہیں پکواتی۔ کبھی سالن میں نمک نہیں ڈالتی ہے اور کبھی مرچیں زیادہ ڈال دیتی ہے ——— ہمارے گھر میں یہ پہلی خوشی ہے۔ اگر اس نے بے خیالی میں کہیں گم کر دی

تو بدشگونی ہوگی۔ تم اسے اپنے ہی پاس رکھو۔"

فرہاد نے ہنستے ہوئے کہا۔

"عزت ـــــ! امی نے یہ انگوٹھی اپنے پاس نہیں رکھی ــ تو تمہارے پاس کیا رہنے دیں گی ـــــ چلو میرے پاس ہی رہنے دو۔ ویسے وہاں جاکر تم ہی اپنے ہاتھوں سے اپنی بھابھی کو انگوٹھی پہنانا۔"

یہ کہہ کر وہ مسکراتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

عزت کی عجیب حالت تھی۔

وہ انگوٹھی لے کر مصیبت میں پڑ گئی تھی ـــــ نہ نگل سکتی تھی، نہ اگل سکتی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کل صبح نواز صاحب کو کیا جواب دے گی۔ اگر وہ انگوٹھی بھول کر گئے تھے تو اسے واپس کرنا چاہئے تھا اور اگر قبول کرنے کے لئے دے گئے تھے تو اسے انگلی میں نظر آنا چاہئے تھا۔

وہ سر جھکا کر آہستہ آہستہ اپنے کمرے میں آگئی۔

کچھ لڑکیاں بری نہیں ہوتیں، مگر بدنام ہوتی ہیں۔ اسی طرح بدنام ہوتی ہیں۔ دوسروں کی پھینکی ہوئی چیز یا بھولا ہوا تحفہ اٹھا کر لے آتی ہیں ـــــ اس کے متعلق یقین سے بھی نہیں کہا جاسکتا کہ وہ تحفہ کے طور پر ان کے پاس آیا تھا۔ ایسے تحفہ سے کیا حاصل کہ والدین سے

چھپایا جائے جیسے محبت نہیں کی ہو ـــــ چوری کی ہو، یا پھر کوئی گناہ چھپایا جا رہا ہو۔

اس کے جی میں آیا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کردے۔

لیکن بھائی کی خوشی میں یہ رونے کا کون سا موقع تھا۔ فرہاد اسے روتے ہوئے دیکھ لے گا تو کیا سوچے گا؟

وہ پریشانی کے عالم میں ادھر سے ادھر ٹہلنے لگی اور بار بار بھائی کے کمرے کی جانب دیکھنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد اس نے کمرے کی بتی بجھا دی تاکہ ماں یہی سمجھے کہ بیٹی سو گئی ہے۔ پھر وہ بھائی کے کمرے کا دروازہ ذرا سا کھول کر اندر جھانکنے لگی۔

فرہاد بستر پر لیٹا ہوا تھا ـــــ اس انگوٹھی کو ہاتھ میں پکڑے ہوئے دیکھ رہا تھا اور اسے اپنی محبوبہ سے منسوب ہوتے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ وہ انگوٹھی کتنی بلندی سے بہن کی ہتھیلی میں آئی تھی اور اب اسے اندر ہی اندر رُلا رہی تھی۔

وہ کمرے کے اندر آگئی۔

فرہاد جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا ـــــ اور شرما کر انگوٹھی کو چھپانے لگا۔

عزت نے نظریں جھکا کر بھائی کے ہاتھ کی جانب دیکھا اور آہستگی سے کہا۔

"بھائی جان ــــ! میں ــــ آپ سے ــــ کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

"ہاں ہاں کہو ــــ آؤ یہاں بیٹھو...."

وہ ذرا سا ہچکچائی ــــ پھر سوئچ بورڈ کی طرف جا کر اس نے لائٹ آف کر دی۔

اندھیرے میں فرہاد کی آواز ابھری۔

"یہ ــــ تم نے اندھیرا کیوں کر دیا ــ؟"

"میں ــــ آپ سے آنکھیں ملا کر باتیں نہیں کر سکتی۔ تھوڑی دیر کے لئے اندھیرا ہی رہنے دیجئے۔"

"وہ ــــ وہ جو انگوٹھی آپ کے پاس ہے ــــ وہ میرے ہے۔"

"تمہاری ہے ــ؟"

"ن ــــ نہیں ــــ میری نہیں ہے ــــ نواز صاحب کی ہے۔ وہ دفتر میں بھول کر چلے گئے تھے۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔

پھر فرہاد کی آواز ابھری۔

"عزت ــــ اگر نواز صاحب اسے بھول کر چلے گئے ہیں۔ اور تم نے اسے اٹھا لیا ہے تو اسے واپس بھی کر سکتی ہو۔ تم نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ لیکن اس وقت بھائی کے سامنے جھوٹ بول کر جرم کر رہی ہو اور اندھیرے میں اپنا منہ چھپا رہی ہو۔"

"نہیں بھائی جان ــــ! میں آپ سے کبھی جھوٹ نہیں بول سکتی میرے اور نواز صاحب کے درمیان کچھ غلط فہمی ہو گئی ہے۔ میں آپ کو پوری بات بتاتی ہوں۔ آپ توجہ سے سنیئے اور خود ہی میرے جھوٹ سچ کا فیصلہ کیجئے۔"

وہ آہستہ آہستہ ــــ رک رک کر وہ واقعہ سنانے لگی کہ ایک کاؤنٹر گرل کی کہانی پر نواز صاحب سے کس طرح بحث ہوئی تھی۔ کس طرح انہوں نے مشورہ دیا تھا کہ کہانی کے کردار کو ایسی سچویشن میں لایا جائے کہ وہ اپنی محبوبہ کے سامنے انگوٹھی چھوڑ کر چلا جائے۔ تاکہ اس کی محبوبہ تنہائی میں اسے قبول کرنے کا فیصلہ کرے ــــ انہوں نے کہانی کی بات کی تھی اور خود ہی اپنی انگوٹھی چھوڑ کر چلے گئے تھے۔

"بھائی جان ــــ! میں یقین سے نہیں کہہ سکتی کہ وہ میرے لئے انگوٹھی چھوڑ گئے ہیں یا بھول کر چلے گئے ہیں۔"

فرہاد کا نرم لہجہ سنائی دیا۔

"عزت ——— ! تم ذہین ہو۔ کہانیاں لکھتی ہو۔ کرداروں کی نفسیات کو سمجھتی ہو۔ کیا اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتیں کہ یہ انگوٹھی کس انداز میں تمہارے پاس آئی ہے۔"

وہ جھجکتی ہوئی بولی۔

" ان کے رویے اور گفت گو سے پتہ چلتا ہے کہ وہ جان بوجھ کر اسے میرے پاس چھوڑ گئے ہیں۔ لیکن پھر سوچتی ہوں کہ انہیں بھولنے کی بھی عادت ہے ہو سکتا ہے کہ وہ اسے بھول گئے ہوں۔

جو کچھ بھی ہے بھائی جان ——— ! یہ انگوٹھی جس انداز میں بھی آئی ہے۔ میں اسے واپس کرنا چاہتی ہوں۔"

" ہاں عزت ——— اسے واپس ہونا چاہیئے ——— یہ انگوٹھی تمہاری میز پر گری ہوئی تھی ——— تحفہ گرا کر نہیں دیا جاتا ——— ہاتھوں سے اٹھا کر دیا جاتا ہے ——— تم جاؤ ——— آرام کرو ——— کل کسی وقت میں نواز صاحب کے پاس جاؤں گا۔ اگر وہ بھول گئے ہیں تو انہیں واپس کر دوں گا۔ اگر وہ تمہیں اپنی عزت بنانا چاہتے ہیں تو میں ان سے کہوں گا کہ وہ دستور کے مطابق ہمارے ہاں آ کر انگوٹھی پیش کریں۔ جاؤ، فکر نہ کرو۔ مجھے تمہاری خوشیاں عزیز ہیں۔"

وہ اندھیرے میں چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔

اسے یقین تھا کہ فرہاد جو کرے گا۔ اس کی بہتری کے لئے کرے گا اور بہن کی خوشیوں کی خاطر نواز صاحب سے کبھی غلط رویہ اختیار نہیں کرے گا۔

وہ مطمئن ہو کر اپنے بستر پر لیٹ گئی۔

ہوٹل کے پُرسکون ماحول میں ہلکی ہلکی موسیقی ہوگی اور راز و نیاز کی ایسی باتیں ہوں گی کہ وہ بار بار شرما کر بل کھا جائے گی اور رہ رہ کر اپنا بدن چرائے گی ـــ ہائے! وہ کتنا خوبصورت نظارہ ہوگا۔

نواز صاحب کو بھی دوسری صبح کا بے چینی سے انتظار تھا۔ اس لئے وہ سکون سے سو نہ سکے اور کروٹوں پر کروٹیں بدلتے رہے۔

اگر یہ سچ ہے کہ عزت دیر سے ملتی ہے تو پھر اس عزت کو اپنانے کا انتظار ٹھیک ہی تھا ـــ یہ ان کی زندگی کا پہلا انتظار تھا۔ انہوں نے اچھی طرح سوچا تھا، سمجھا تھا اور اس حقیقت کو تسلیم کیا تھا کہ ہماری سوسائٹی میں بیشتر لڑکیاں جھوٹے اسکینڈل کا شکار ہو کر تباہ ہو جاتی ہیں۔

ایک فنکار اپنی خوب صورت تخلیق سے پہچانا جاتا ہے۔ ماہنامہ "عزت" کی کتابت اور طباعت کا معیار، اس کی ظاہری اور باطنی خوبصورتی عزت آرا کی صلاحیتوں کی رہینِ منت تھی۔ اس رسالہ کو دیکھ کر اندازہ ہو

جانا تھا کہ اس کے پیچھے کام کرنے والی عورت کا ذہن کتنا خوب صورت ہو گا۔

اس باطنی خوب صورتی کو پہچاننے میں بہت سارا وقت گزر گیا تھا۔ اب نواز صاحب پورے یقین سے کہہ سکتے تھے کہ انہوں نے عزت کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ اس کی خاموشی کو ـــــ اس کے تکلم کو، اس کے انکار کو اور اس کے اقرار کو ـــــ اور اب ان کے دل کی دھڑکنیں کہہ رہی تھیں کہ کل صبح وہ مجسم اقرار بن کر دفتر میں ملنے آئے گی۔

اس کے ہاتھ کی کسی مخروطی انگلی میں ان کی پیش کی ہوئی انگوٹھی مسکراتی ہو گی۔

وہ خیال ہی خیال میں مسکراتے رہے۔

صبح آنکھ کھلی تو ساڑھے سات بج گئے تھے۔ وہ جلدی سے اٹھے اور غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر اپنی پسند کا بہترین لباس پہنا، بہترین خوشبو اپنے کپڑوں میں لگائی اور اپنی زندگی کی بہترین مسکراہٹ سے آئینہ میں دیکھ کر خود کو پسند کیا ـــــ کسی کی نظروں میں سمانے سے پہلے اپنی نظروں میں مکمل ہونا پڑتا ہے۔

اپنے آپ کو تیار کرنے میں بڑا وقت لگ گیا۔ نو بج رہے تھے اور دس بجے سے پہلے دفتر پہنچنا تھا اور اس سے پہلے پریس جانا ضروری تھا۔

وہ ناشتہ کئے بغیر گھر سے نکل گئے۔

کار ڈرائیو کرتے ہوئے انہوں نے سوچا کہ آج وہ عزت کے ساتھ ناشتہ کریں گے۔ اس کے ساتھ کسی تفریح گاہ میں جائیں گے اور وہاں کے سب سے مہنگے ہوٹل میں بیٹھ کر اس سے میٹھی میٹھی سرگوشیاں کریں گے ہوٹل کے پُرسکون ماحول میں ہلکی ہلکی موسیقی ہو گی اور راز و نیاز کی ایسی باتیں ہوں گے کہ وہ بار بار شرما کر بل کھائے گی اور رہ رہ کر اپنا بدن چرائے گی ـــــ ہائے، وہ کتنا خوب صورت نظارہ ہو گا۔

وہ مدتوں کے بعد ایک حسین ساتھی کی اہمیت کو محسوس کر رہے تھے دل چاہتا تھا کہ ہمیشہ اس جانِ بہار کے تصوّر میں ڈوبے رہیں۔ لیکن محبت کے ساتھ زندگی کے دوسرے مسائل بھی ہوتے ہیں۔ وہ آئندہ پرچہ شائع کرنے کے لئے برکت پرنٹنگ پریس سے معاملات طے کرنا چاہتے تھے ـــ کاروباری معاملات طے کرنے میں گھنٹوں لگ جاتے ہیں، اس لئے وہ پریس کے مالک سے گفتگو کے لئے کوئی دوسرا وقت مقرر کرنا چاہتے تھے۔ آج کا دن عزت کے لئے مخصوص ہو چکا تھا۔

پریس کے سامنے انہوں نے کار روک دی۔

اتوار کا دن تھا۔ تمام دکانیں بند تھیں۔ لیکن فٹ پاتھ کی چلتی پھرتی دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ ہر روز کی طرح آج بھی گاہکوں کی بھیڑ تھی اور

اچھی خاصی گہما گہمی نظر آ رہی تھی۔ وہ کار سے اُتر کر پریس کی دوسری منزل پر آ گئے۔ پریس کا مالک برکت علی بالکونی میں بیٹھا جاڑے کی دھوپ سے لطف اٹھا رہا تھا ــــ نواز صاحب کو دیکھتے ہی اس نے آگے بڑھ کر مصافحہ کیا اور ان کے لئے بالکونی میں ایک کرسی منگوائی۔

نواز صاحب نے کہا۔

"آج میں آپ سے معذرت چاہتا ہوں۔ کل کوئی وقت مقرر کر لیجئے۔"

برکت علی نے خوش اخلاقی سے کہا۔

"کوئی بات نہیں ــــ کل ہی سہی ــــ آپ کسی بھی وقت آ جائیے ــــ میں یہاں موجود رہوں گا ــــ لیکن آپ کو تھوڑی دیر تو بیٹھنا ہی ہوگا ــــ میں آپ کو چائے پیئے بغیر نہیں جانے دوں گا۔"

"تکلف نہ کریں برکت صاحب! ــــ دس بجے میرا ایک ضروری اپوائنٹمنٹ ہے۔"

"دس بجے ــــ!" اس نے رسٹ واچ کو دیکھتے ہوئے کہا ــ "ابھی سوا نو بجے ہیں ــــ چائے پینے میں زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس منٹ صرف ہوں گے ــــ اے عبدل! ــــ جلدی سے

چائے لاؤ....."

نواز صاحب مجبور ہو کر بیٹھ گئے۔

برکت علی نے مسکرا کر پوچھا۔

"معلوم ہوتا ہے کوئی بہت ہی خوب صورت اپوائنٹمنٹ ہے؟"

انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"عشق اور مشک کبھی نہیں چھپتے ــــ دیکھئے نا! ــــ آج اتوار ہے کوئی کاروباری اپوائنٹمنٹ نہیں ہو سکتا ــــ اگر ہوا بھی تو آپ جیسا کاروباری انسان ایسی دل موہ لینے والی خوشبو لگا کر نہیں جائے گا...."

نواز صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔

"آپ خواہ مخواہ سراغرساں بننے کی کوشش کر رہے ہیں بہرحال یہ سچ ہے ــــ میں شادی کے متعلق سنجیدگی سے سوچ رہا ہوں۔"

"ویری گڈ ــــ میری طرف سے پیشگی مبارکباد قبول کیجئے۔ کل ہی میں صفدر صاحب سے کہہ رہا تھا کہ نواز صاحب کو اب کوئی اچھی سی لڑکی دیکھ کر شادی کر لینا چاہیئے ــــ بھئی دیکھئے نا! ــــ

ابھی آپ شادی کریں گے تو ایک سال بعد ہونیوالا بیٹا آپ کے بڑھاپے میں پہنچ کر جوان ہو گا ۔ ۔ ۔ ۔ "

انہوں نے مسکرا کر کہا ۔

" بہت خوب ـــــ آپ تو کسی بزرگ کی طرح میری شادی اور بچوں کا حساب کرنے بیٹھ گئے ہیں ۔ "

اتنے میں چائے آگئی ۔ وہ دونوں اپنی پیالیاں اٹھا کر چائے پیتے ہوئے نیچے فٹ پاتھ کی گہما گہمی کو دیکھنے لگے ۔ اس بھیڑ میں شبنم اور فرہاد بھی تھے وہ دونوں اپنے ہاتھوں میں شاپنگ کا ڈھیر سارا سامان اٹھائے اپنی کار کی طرف جا رہے تھے ۔

نواز صاحب ، شبنم سے واقف نہیں تھے ۔ لیکن فرہاد کو عزت کے بھائی کی حیثیت سے جانتے تھے ۔ وہ اپنی بہن سے ملنے کے لئے دو بار اُنکے دفتر آچکا تھا ـــــ عزت نے اپنے بھائی سے ان کا تعارف بھی کرایا تھا ۔

اب وہ شبنم کو دیکھ رہے تھے ۔ اس میں کچھ ایسی کشش تھی کہ لوگ اسے ایک بار ضرور دیکھنے پر مجبور ہو جاتے تھے ۔ اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ فرہاد اور شبنم ایک دوسرے کے ساتھ خوب جچ رہے تھے ۔ بڑا ہی خوبصورت رومانی جوڑا تھا ۔

برکت علی کے ہاتھوں میں چائے کی پیالی ٹھنڈی ہو رہی تھی ۔ وہ غصہ سے دانت پیستے ہوئے فرہاد کو دیکھ رہا تھا ۔ وہ ابھی تک اس ذلت کو نہیں بھلا سکا تھا جب فرہاد نے شبنم کی کوٹھی سے مار کر اسے بھاگ جانے پر مجبور کیا تھا ۔

اس نے شبنم کی جانب حقارت سے دیکھ کر کہا ۔

" سالی ـــــ رنڈی ـــــ اب نیا یار کر کے گھوم رہی ہے ۔ "

نواز صاحب نے چونک کر برکت کو دیکھا ۔

اور پوچھا ۔

" آپ کسے گالی دے رہے ہیں ؟ "

" وہی جو اسکائی بلیو کار کے پاس کھڑی ہوئی ہے ـــــ معلوم ہوتا ہے اس کے یار نے بڑی تگڑی شاپنگ کرائی ہے ۔ ڈھیر سامان کار میں لاد رہی ہے ۔ "

نواز صاحب کا چہرہ مرجھا گیا ـــــ وہ پھر شبنم اور فرہاد کی جانب دیکھنے لگے ـــــ یہ کیسی شرمناک بات تھی کہ وہ جس لڑکی سے شادی کرنا چاہتے تھے ۔ اس کا بھائی ایک بدنام عورت کیساتھ سرعام گھومتا پھرتا نظر آرہا تھا ۔

بدنام عورت ـــــ !

بدنام عورت ــــ!

نواز صاحب کو یکایک خیال آیا کہ بدنامیاں جھوٹی بھی ہوتی ہیں ــــ اسکینڈل تراشنے والے لوگ اچھی خاصی شریف زادیوں کو بدنام کر دیتے ہیں۔

انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

"برکت صاحب! ــــ کسی عورت کو خواہ مخواہ گالی دے کر بدنام نہیں کرنا چاہیئے ــــ میں اس نوجوان کو اچھی طرح جانتا ہوں ــــ وہ کسی غلط عورت کی سوسائٹی اختیار نہیں کر سکتا ــــ آپ کو یہ سوچنا چاہیئے کہ وہ عورت کسی کی بیٹی اور بہن ہو گی۔"

برکت علی نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"آپ اس نوجوان کو جتنا جانتے ہیں، اس سے زیادہ میں اس عورت کو جانتا ہوں کیونکہ وہ میری داشتہ رہ چکی ہے۔ اس کا نام شبنم ہے۔"

نواز صاحب اسے غیر یقینی نظروں سے دیکھنے لگے۔

اس نے کہا۔

"میرے پاس شبنم کی ایسی ایسی تصویریں ہیں، جنہیں دیکھ

کر آپ کو یقین آجائے گا ــــ وہ تصویریں میں اپنی گھر والی سے چھپا کر یہاں دفتر میں رکھتا ہوں ــــ ٹھہریئے! میں ابھی لاتا ہوں۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر دفتر کے اندر چلا گیا۔

نواز صاحب نے پھر شبنم کی جانب دیکھا۔

فرہاد نے کار کا دروازہ کھول رکھا تھا ــــ لیکن وہ ایک دکان کی جانب اشارہ کر رہی تھی ــــ شاید کچھ اور خریداری کے لئے کہہ رہی تھی۔

آف ــــ یہ لڑکیاں اوپر سے کتنی اجلی نظر آتی ہیں ــــ لیکن ان کے اندر کتنی غلاظت بھری ہوتی ہے ــــ پہلے وہ کسی کی بیٹی اور بہن نظر آ رہی تھی ــــ مگر اب وہ دیکھتے ہی دیکھتے ننگی ہو گئی تھی۔

انہوں نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

کاش ــــ انہیں معلوم ہوتا کہ وہ اپنی بہن سے منہ پھیر رہے ہیں۔

عورت بہن ہوتی ہے ــــ کسی نہ کسی کی بہن ضرور ہوتی ہے ــــ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان کی ہوس زیادہ اہم ہوتی ہے

یا خون کا رشتہ ——— ؛ کیونکہ انسان کی ہوس سے داشتائیں جنم لیتی ہیں اور خون کے رشتے سے بہنیں ——— انسان کسی کی بہن کو داشتہ بناتا ہے ——— اور خدا کا قانون کسی کی داشتہ کو بہن بنا دیتا ہے۔

برکت کے تصویریں لانے سے پہلے ہی وہ وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔

وہ اسی کے لئے رات گئے تک جاگتے رہے تھے، انہوں نے خیالوں کی تفریح گاہوں میں اسی حسینہ کو قدم قدم اپنے ساتھ دیکھا تھا۔ اور اب اسے سامنے دیکھ کر پھر پگھلتے جا رہے تھے۔

عزت زینے پر چڑھتی ہوئی دفتر کی طرف جا رہی تھی۔ زینے کے ہر پائیدان پر اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ اسے دفتر نہیں آنا چاہیئے تھا ـــــ فرہاد نے کہہ دیا تھا کہ وہ نواز صاحب سے آج شام کو ان کی کوٹھی میں ملاقات کرے گا اور انگوٹھی کے متعلق ان سے گفتگو کرے گا۔

لیکن بھائی کے سمجھانے کے باوجود وہ آگئی۔

دل جو نہیں مانتا تھا ـــــ بار بار کہتا تھا کہ وہ انتظار کر رہے ہوں گے ـــــ انہوں نے اس کی خاطر چھٹی کے دن بھی دفتر کھولا ہو گا اور دفتر کے ساتھ دل کے دروازے کھول کر بڑے اعتماد سے

ا کی راہ تک رہے ہوں گے۔

دروازہ ذرا سا کھلا ہوا تھا۔

نواز صاحب اپنی ریوالونگ چیئر پر سر جھکائے کسی سوچ میں ڈوبے ئے تھے ـــــ آہٹ سن کر انہوں نے سر اٹھایا۔ وہ دروازے پر ی ہوئی تھی۔

وہی پہلے والی عزت آرا تھی جو ان کی کوٹھی میں انٹرویو کے لئے آئی تھی۔ ید میرین کی شلوار ـــــ سفید میرین کی قمیض ـــــ سفید دوپٹہ سر پر ہوتا ہوا سینے اور شانوں سے اس طرح لپٹا ہوا تھا جیسے سانپ جسم کے خزانے لڈلی مار کر بیٹھ گیا ہو۔

اس کی سادگی میں ایسی دلربائی تھی کہ نواز صاحب تھوڑی دیر کے فرہاد اور شبنم کی طرف سے پیدا ہونے والی خلش کو بھول گئے اور اس ہاتھوں کو دیکھ کر اپنی انگوٹھی تلاش کرنے لگے۔

اس کے دائیں ہاتھ میں کہانی کا مسودہ تھا۔ وہ ہاتھ مسودے سمیت ا کی دھڑکنوں پر رکھا ہوا تھا۔ شاید اس ہاتھ کی کسی انگلی میں وہ انگوٹھی ی۔ وہ نظر نہیں آرہی تھی۔ کیونکہ اس نے بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ کی لیوں کو چھپا لیا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ایک میز کے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔ میز پر

مسودے کو یہ لکھتے وقت دونوں ہاتھ عین نگاہوں کے سامنے آگئے۔ تمام انگلیاں خالی تھیں۔ انگوٹھی کی قید سے آزاد تھیں۔

نواز صاحب کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔

انہوں نے یہی سمجھا کہ عزت نے انگوٹھی قبول نہیں کی ہے۔ ان کے غرور اور خودداری کو ایسی ٹھیس پہنچی کہ وہ تلملا گئے۔ ایسے ہی وقت انہیں پھر شبنم اور فرہاد نظر آگئے۔

یہ عزت خود کو سمجھتی کیا ہے ۔۔؟

کیا عزت ہے اس کی ــــــ؟ جس کا بھائی سرِعام طوائفوں کے ساتھ گھومتا ہے اور بے غیرتی کو اپنی شان سمجھتا ہے۔ اس کی بہن نے میری پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ میں ایسوں کو کب قبول کرتا ہوں۔ میں بھی ٹھوکر مارنا جانتا ہوں۔

عزت نے نظریں جھکا کر کہا۔

"آپ ــــــ کل اپنی انگوٹھی یہاں بھول کر چلے گئے تھے۔"

کہنے کے انداز میں ایسی معصومیت اور بھولپن تھا کہ نواز صاحب پھر نظریں اٹھا کر اسے دیکھنے پر مجبور ہو گئے۔

ان کے سامنے حسن و شباب کا دلکش مجسمہ تھا۔ وہ اسی کے لئے رات گئے تک جاگتے رہے تھے۔ انہوں نے خیالوں کی تفریح گاہوں میں اکا

حسینہ کو قدم قدم اپنے ساتھ دیکھا تھا اور اب اسے سامنے دیکھ کر پھر پگھل رہے تھے۔

دل نے سمجھایا غلطی اس کے بھائی کی ہے ــــــ اس کی نہیں ہے ــــــ اس کے بھائی کو نصیحت کی جاسکتی ہے۔ پھر یہ کہ اس نے انگوٹھی قبول کرنے سے انکار نہیں کیا ہے ــــــ وہ یہ سوچنے میں حق بجانب ہے ــــــ میں اپنی چیزیں یہاں اکثر بھول کر چلا جایا کرتا ہوں۔

انہوں نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"اگر میں یہ کہوں کہ وہ انگوٹھی میں بھول کر نہیں گیا تھا۔ آپ کے لئے چھوڑ کر گیا تھا تو ۔۔؟"

اس نے سر کے آنچل کو ذرا آگے کر لیا۔ پھر ایک ہاتھ سے اس آنچل کا پردہ بنا کر بولی۔

"میری ایک غلطی سے وہ انگوٹھی بھائی جان کے ہاتھ لگ گئی۔ میں نے مجبوراً انہیں کل کا تمام واقعہ سنا دیا۔ ان کا بھی یہی خیال ہے کہ آپ انگوٹھی قصداً چھوڑ گئے ہیں۔"

"آپ کے بھائی جان بہت سمجھ دار ہیں، ابھی آدھ گھنٹہ پہلے میں نے انہیں ایک سمجھ دار عورت کے ساتھ دیکھا ہے ــــــ کیا آپ اس

عورت کو جانتی ہیں ؟"

شبنم کے تصور سے عزت کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ وہ بڑے پیار سے بولی۔

" وہ میری ہونے والی بھابھی ہیں ۔"

" کیا آپ کے بھائی جان شبنم کے ماضی کو جانتے ہیں ؟"

وہ بات ایسی تھی کہ عزت کے ذہن سے انگارے کی طرح چپک گئی۔ اسے فوراً ہی احساس ہوگیا کہ بات بگڑنے والی ہے۔ شاید نواز صاحب شبنم کے ماضی کو جانتے ہیں اسی لئے تو اس کا نام بھی جانتے ہیں۔

وہ بڑے ہی ٹھہرے ہوئے انداز میں بولی۔

" کچھ عورتوں کی موجودہ زندگی میں ایسی پاکیزگی اور شرافت ہوتی ہے کہ ان کے ماضی کو بھلا دیا جاتا ہے۔"

" کیوں بھلا دیا جاتا ہے ؟"

" اس لئے کہ بھٹکی ہوئی عورتوں کے دل میں راہ راست پر آنے کا حوصلہ پیدا ہو۔"

" میں آپ کے خیال سے متفق نہیں ہوں۔ بھٹکی ہوئی عورت سزا کی مستحق ہوتی ہے اور سزا یہ ہوتی ہے کہ اسے شریف گھرانوں میں پناہ نہیں دی جاتی۔ وہ در بدر رسوا ہوتی ہے اور اس کی رسوائی سے

دوسری عورتیں عبرت حاصل کرتی ہیں۔"

" آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ عورت مزید گناہوں سے بچنے کے لئے پناہ مانگے تو اسے پناہ نہ دی جائے، بلکہ اسے اور زیادہ گناہگار بننے کے لئے بھٹکا دیا جائے۔"

نواز صاحب نے تلخی سے کہا۔

" آپ اس سماج کے قانون کو پیش نظر رکھ کر بحث کیجئے۔ کیوں کہ ہمیں اسی سماج میں رہ کر زندگی گزارنی ہے۔"

عزت نے جواب دیا۔

" ہم قلم کار ہیں ——— ہم ہمیشہ اس سماج کی برائیوں کے خلاف لڑتے ہیں ——— کیا ایک عورت کی نیکی کی خاطر جنگ نہیں کر سکتے ۔ ؟"

وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولے۔

" یہ کتابی باتیں ہیں ——— آپ میری باتوں کو سمجھنے کی کوشش کیجئے ——— جب ایک بدنام عورت کسی خاندان میں بہو بن کر آتی ہے تو اس خاندان کی شریف زادیوں کو رشتہ نہیں ملتا ——— صرف بدنامیاں اور طعنے ملتے ہیں ——— غلاظت کسی بھی گھر میں جائے گی تو تعفن پیدا کرے گی اور جہاں تعفن ہو، وہاں نفاست پسند لوگ

نہیں جانتے ۔"

وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے قریب آگئے اور پیار بھرے لہجے میں بولے۔

"میں نے بہت کوششیں کیں۔ لیکن آپ کو اشاروں کی زبان سے سمجھا نہ سکا۔ اب میں سیدھے سادے انداز میں کہنے پر مجبور ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے . . . . "

عزت کے دل کی دھڑکنیں اچانک تیز ہو گئیں۔ چہرے پر حیا کی لالی سلگنے لگی۔

انہوں نے کہا۔

"اگر آپ کو ناگوار گزرے تو مجھے کہنے سے روک دیجئے۔

عزت ——! میں تمہیں ہمیشہ کے لئے اپنا بنا کر رکھنا چاہتا ہوں میں تم سے بیان نہیں کر سکتا کہ میری کیا حالت ہے میں وقت پر سونا اور وقت پر کھانا بھول گیا ہوں۔ اگر تم مجھے نہ ملیں تو میں بیمار ہو جاؤں گا ۔"

انہوں نے بڑی محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

تھوڑی دیر تک وہ اس کے ہاتھ کی نزاکت کو اور ملائمیت کو محسوس کرتے رہے محظوظ ہوتے رہے۔

پھر بولے۔

"میں اس ہاتھ کو اب چھوڑنا نہیں چاہتا —— تمہیں انکار تو نہیں ہے؟"

وہ بے حال ہوئی جا رہی تھی، اندر ہی اندر مسرتوں کے ہجوم میں کانپ رہی تھی۔

نواز صاحب کے چھوتے ہی وہ خوابوں سے نکل کر ان کی سچی تعبیر تک پہنچ گئی تھی —— اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان کے سوال کا جواب کس انداز میں دینا چاہیئے —— زبان سے اقرار کرتے ہوئے شرم آ رہی تھی۔

انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"تم بہت شرمیلی ہو —— میں جانتا ہوں، میری باتوں کا جواب اتنی آسانی سے نہیں دو گی —— اچھا چلو —— وہ انگوٹھی مجھے دے دو —— میں اپنے ہاتھوں سے پہنا کر اطمینان کرنا چاہتا ہوں کہ تم میری بن چکی ہو ۔"

وہ جھجکتی ہوئی بولی۔

"وہ —— وہ انگوٹھی —— میرے پاس نہیں ہے . . . "

"گھر پر چھوڑ آئی ہو؟"

"جی ـــــ جی نہیں ـــــ بھائی جان آج شام کو آپ کے ہاں جائیں گے ـــــ انگوٹھی ان کے پاس ہے۔ وہ آپ سے کہنا چاہتے ہیں کہ دستور کے مطابق آپ کو ہمارے ہاں انگوٹھی لے کر آنا چاہیئے ۔ ۔ ۔ ۔"

انہوں نے سر ہلا کر کہا۔

"ہاں ـــــ دستور تو یہی ہے اور میں ضرور تمہارے دروازے پر آؤں گا کیونکہ پیاسا ہمیشہ کنویں کے پاس جاتا ہے۔"

وہ سر جھکا کر زیر لب مسکرانے لگی۔

نواز صاحب اسے کس قدر چاہتے ہیں، یہ ان کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا۔ وہ اسے حاصل کرنے کے لئے اس کے دروازے پر سوالی بن کر آئیں گے۔ اس سے زیادہ عزت افزائی اور کیا ہو سکتی تھی۔

انہوں نے اس کے ہاتھ کو بڑی محبت سے بھینچ کر کہا۔

"یہ اچھی بات ہے کہ تمہارے بھائی جان آج شام کو میرے ہاں آئیں گے ـــــ دیکھو نا! ـــــ دستور کے مطابق جو بات کہی جائے۔ اسے سب ہی تسلیم کر لیتے ہیں۔ میں بھی ان کی باتوں کو تسلیم کروں گا اور انہیں بھی سمجھاؤں گا کہ وہ سماج کے دستور کے مطابق کام کریں اور شبنم جیسی بدنام عورت سے دور کا بھی واسطہ نہ رکھیں ۔ ۔ ۔"

عزت کے چہرے کی مسکراتی ہوئی رنگت ماند پڑ گئی۔ وہ ہچکچاتی

ہوئی بولی۔

"مم ـــــ مگر شبنم بھابھی بہت اچھی ہیں۔ صرف بھائی جان ہی نہیں ہم سب ان کی زندگی سنوارنا چاہتے ہیں۔"

نواز صاحب کے چہرے کی تازگی بھی مرجھانے لگی۔

انہوں نے کہا۔

"میں تم لوگوں کے نیک جذبوں کی قدر کرتا ہوں ـــــ گرتے ہوئے کو سنبھالنا اچھی بات ہے ـــــ لیکن اسے سنبھالتے وقت اپنے گرنے کا خدشہ پیدا ہو جائے تو ہمیں محتاط ہو جانا چاہیئے۔"

شبنم کی زندگی سنوارنے کے اور بھی راستے ہیں۔ تم کہو تو میں یہاں کے دارالامان یا کسی فلاحی ادارے سے رابطہ قائم کرتا ہوں۔ وہاں بھٹکی ہوئی عورتوں کو پناہ مل جاتی ہے۔ ان کے لئے کہیں نہ کہیں سے رشتے بھی آ جاتے ہیں۔ کوئی انہیں بیوی بنا کر لے جاتا ہے اور کوئی بیٹی یا بہن بنا کر اپنے ہاں پناہ دیتا ہے۔"

عزت نے پوچھا۔

"نواز صاحب! کیا ایسے لوگ ہیں جو ایسی عورتوں کو بیٹی یا بہن بنا لیتے ہیں؟"

"ہاں ـــــ ایسا اکثر ہوتا ہے ـــــ جن کی بیٹیاں نہیں ہوتیں

وہ ان میں سے کسی کو بیٹی بنا لیتے ہیں، جن کی بہنیں نہیں ہوتیں، وہ بہن بنا لیتے ہیں ۔"

"آپ کی بھی کوئی بہن نہیں ہے —— کیا آپ شبنم کو بہن نہیں بنا سکتے ؟"

نواز صاحب کے ہاتھوں سے اس کا ہاتھ چھوٹ گیا۔

انہیں شبراتن عرف شبو یاد آگئی —— اس کی تلاش میں وہ ایک رات کوٹری تک گئے تھے۔ اس کے لئے انہوں نے اپنے باپ کو تاکید کر دی تھی کہ شہر کی سڑکوں پر جب بھی چلیں تو ذرا توجہ سے پرائی بہو بیٹیوں کو دیکھا کریں —— ہو سکتا ہے کہ ان میں کہیں شبو نظر آجائے۔

ان کی کوٹھی میں اب ایک گھریلو ماحول پیدا ہو رہا تھا۔ باپ آ گیا تھا —— ماں کی کمی کو سوتیلی ماں نے پورا کر دیا تھا۔ عزت بھی ان کے دل کی ملکہ بن کر آنے والی تھی۔ صرف ایک بہن کی کمی رہ گئی تھی۔ جب تک شبو نہیں ملتی، اس وقت تک کیا وہ شبنم کو اپنی بہن نہیں کہہ سکتے تھے ؟

"نہیں —— !"

انہوں نے کہا۔

"عزت —— ! اس سوسائٹی میں میرا ایک مقام ہے۔ میں نے برسوں کی محنت سے دولت حاصل کی ہے، شہرت حاصل کی ہے۔ عزت حاصل کی ہے —— کیا تمہیں اس بات کا احساس نہیں ہے کہ شبنم میرے یا تمہارے خاندان میں آئے گی تو لوگ کیسی کیسی باتیں بنائیں گے —— ! میری عزت خاک میں مل جائے گی۔"

عزت نے پوچھا۔

"وہ ہمدرد لوگ جو ایسی عورت کو بہن بناتے ہیں، کیا ان کی عزت خاک میں نہیں ملتی —— ؟"

"میں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتا —— یوں سمجھ لو کہ دنیا میں عزت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہوتی۔ میں بھی وہی کام کرتا ہوں۔ جس سے میری عزت و ناموس پر حرف نہ آئے۔"

عزت نے پہلی بار نظریں اٹھا کر بڑی سنجیدگی سے دیکھا —— وہ کتنے قریب تھے۔ مگر کتنے دور نظر آ رہے تھے۔ ان کے درمیان نظریاتی اختلافات کی دیوار کھڑی ہو گئی تھی۔

وہ آہستگی سے بولی۔

"آپ سے میری ایک التجا ہے"

"کیا —— ؟"

"بھائی جان آپ کے ہاں آئیں تو آپ ان سے کہہ دیں کہ آپ نے قصداً میرے لئے انگوٹھی نہیں چھوڑی تھی ـــــ بلکہ یہاں بھول کر چلے گئے تھے۔"

انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

"مگر ـــــ میں تو تمہارے لئے چھوڑ گیا تھا۔"

"ہاں ـــــ لیکن میں نہیں چاہتی کہ انہیں ہماری محبت کا علم ہو۔"

"نہیں عزت ـــــ! انہیں علم ہونا چاہیئے۔ جبھی تو میں تمہارے رشتے کے تمہارے ہاں آنے کا پروگرام انہیں بتاؤں گا۔"

"آپ فی الحال پروگرام ملتوی کر دیجئے۔ پہلے بھائی جان کی شادی ہونے دیجئے۔ پھر ہم اپنے متعلق سوچیں گے۔"

وہ کچھ سمجھ گئے اور کچھ نہیں سمجھ سکے ـــــ انہوں نے وضاحت چاہی۔

"تمہاری بھائی جان کی شادی کب ہوگی اور کس سے ہوگی؟"

"بھائی جان اپنی مرضی کے مالک ہیں ـــــ میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ میری بھابھی کے متعلق ان سے کوئی بات نہ کریں ـــــ اگر انہیں احساس ہو گیا کہ بھابھی

کی وجہ سے میری خوشیاں برباد ہو رہی ہیں تو وہ سخت الجھن میں پڑ جائیں گے۔

بھابھی کو معلوم ہوگا تو ان کے دل کو صدمہ پہنچے گا ـــــ بھائیجان بھی آزمائش میں مبتلا ہو جائیں گے۔ میں نے نہیں چاہتی کہ بہن کی خاطر وہ اپنے نیک مقاصد سے ڈگمگا جائیں۔"

یہ کہہ کر اس نے منہ پھیر لیا ـــــ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے ـــــ وہ آنچل سے آنکھیں پونچھتی ہوئی دروازے کی طرف جانے لگی۔

"عزت ـــــ!"

ان کی آواز پر اس کے قدم رک گئے۔

انہوں نے پوچھا۔

"کیا شبنم کی خاطر تم مجھ سے دور ہو جانا چاہتی ہو؟"

اس نے آنسو بھرے لہجے میں جواب دیا۔

"میں ایک ڈوبنے والی عورت کو بچانا چاہتی ہوں میں جانتی ہوں کہ اسے بچانے کے لئے مجھے ڈوب جانا پڑے گا ـــــ"

یہ کہہ کر اس نے اپنی بات کا جواب سننا گوارا نہیں کیا۔ کیونکہ

وہ نواز صاحب کی ضد کو سمجھ چکی تھی، اس لئے تیزی سے قدم بڑھاتی ہوئی دروازہ کھول کر چلی گئی۔

وہ تھوڑی دیر تک بے حس و حرکت کھڑے رہے۔ شاید سوچ رہے تھے کہ عزت اپنے فیصلہ پر پچھتا کر واپس آئے گی۔

لیکن وہ منہ پھیر کر چلی گئی تھی۔

یکایک انہیں اپنی توہین کا احساس ہوا کہ عزت نے شبنم کو ان پر ترجیح دی ہے۔

سوسائٹی میں ان کی اتنی عزت تھی —— لیکن عزت ان کی اہمیت کو نظر انداز کر کے ایک بدکار عورت کو اپنی بھابھی بنا رہی تھی۔

انہوں نے میز پر رکھے ہوئے مسودے کو غصہ سے دیکھا اور جھلا کر اسے ایک ہاتھ ایسا مارا، جیسے عزت کے منہ پر طمانچہ مار رہے ہوں —— مسودے کے اوراق زخمی پنچھی کی طرح پھڑپھڑاتے ہوئے دور جا گرے۔

پھر وہ آپ ہی آپ بڑبڑائے۔

"گندی نالی کے کیڑے —— آخر نالی میں ہی رہنا پسند کرتے ہیں —— اسے میری کوٹھی کا صاف ستھرا ماحول پسند نہیں

آیا —— بلا سے پسند نہ آئے —— اب وہ فرہاد میرے پاس آئے گا تو میں ذلیل کر کے اسے گھر سے نکال دوں گا —— یہ لوگ اسی قابل ہیں . . . . ."

وہ غصہ سے طنطناتے ہوئے دفتر سے باہر آئے اور دروازے پر تالا ڈالنے لگے۔

کیا ایسی مترنم آواز پہلے کبھی تمہارے دل
سے اٹھی ہے ؟
سچ بتاؤ ـــــ تنہائی میں یہ کھنکتی
ہوئی چوڑیاں تم سے کیا کہہ رہی ہیں ؟

فرہاد تپائی کے اُوپر کھڑا ہوا کھڑکیوں پر پردے لگا رہا تھا اور شبنم فرش پر جھاڑو دے رہی تھی۔ کمرے میں ہلکی ہلکی گرد اُڑتی جا رہی تھی۔

فرہاد نے کھانستے ہوئے کہا۔

" اوہو ـــــ تم تو سارے کمرے میں گرد اُڑا رہی۔ کیا اسی طرح جھاڑو دی جاتی ہے ؟"

وہ پھر کھانسنے لگا۔

شبنم نے ہنستے ہوئے کہا۔

" آپ کھڑکیوں سے پردے ہٹا دیجئے گرد باہر چلی جائے گی۔"

"جو کام بعد میں ہونا چاہیئے، اسے آپ پہلے کرتے ہیں۔ ابھی پر دے لگانے کی کیا ضرورت ہے ——؟"

فرہاد نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر کہا۔

"میں اپنی دلہن کا گھر سجا رہا ہوں —— تم بولنے والی کون ہوتی ہو؟"

شبنم کی گردن جھک گئی۔ وہ شرمانے اور مسکرانے لگی۔

فرہاد بھی اسے مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔ وہ جب سے شاپنگ کر کے اس کے ساتھ آئی تھی، جھاڑ پونچھ میں لگی ہوئی تھی۔ اس کی ساڑھی میلی ہو گئی تھی۔ جسم پر گرد جمی ہوئی تھی اور سر کے بال ایسے بکھر گئے تھے کہ بار بار چہرے پر آ رہے تھے۔

فرہاد نے بڑے پیار سے کہا۔

"ذرا آئینہ دیکھو، کیا حالت بنا رکھی ہے۔ میں نے کہا تھا کہ ملازمہ کو رکھ لو۔ مگر تم نے اسے جواب دیدیا۔"

وہ کچرے کو چھوٹے سے ڈسٹ بن میں ڈالتی ہوئی بولی۔

"یہ ہمارا گھر ہے —— میرا اور آپ کا گھر ہے —— آپ کی مرضی سے اس کی سجاوٹ ہوگی اور میری محنت سے یہ گھر صاف ستھرا رہے گا —— میں آپ کے لئے چولہا جلاؤں گی —— روٹیاں

پکاؤں گی —— اور اپنے ہاتھوں سے برتن مانجھوں گی —— کسی ملازمہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ یہ کام کرے۔ آپ کی خدمت کرنا میرا فرض ہے۔"

فرہاد تپائی سے اتر کر اس کے قریب آگیا اور اسے پیار بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ فرش پر اکڑوں بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک طرف جھاڑو اور دوسری طرف ڈسٹ بن رکھا ہوا تھا اور وہ اپنے آنچل سے چہرے کی گرد صاف کر رہی تھی۔

فرہاد نے اس کے دونوں بازوؤں کو اپنی گرفت میں لیا تو وہ چپ چاپ سر جھکا کر اس کے برابر کھڑی ہو گئی۔

"شبنم —— ! یہ محنت سے تھکا ہوا چہرہ اور بکھرے ہوئے بال بہت بھلے لگ رہے ہیں۔

میں تمہیں دیکھ رہا ہوں اور سوچ رہا ہوں کہ یہ عورت جو اس وقت میرے سامنے کھڑی ہے۔ یہ ساری کی ساری میری ہے —— یہ سوچتی ہے تو میرے لئے —— بولتی ہے تو میرے لئے —— یہ میرے لئے محنت کرتی ہے اور میرے لئے تھک جاتی ہے اور اپنی تھکن کو چھپانے کے لئے مجھے اپنی مسکراہٹوں سے بہلاتی ہے —— لیکن میں اتنا نادان نہیں ہوں —— اب میں تمہیں اتنی محنت نہیں کرنے دوں گا۔ کل اس

ملازمہ کو واپس بلا لو۔"

"مگر اب تو اتنا کام نہیں ہے۔"

"بحث نہ کرو ——— یہ بتاؤ ——— اس گھر میں کس کا حکم چلے گا؟"

"آپ کا ——— اب میں بحث نہیں کروں گی ——— کل ملازمہ کو بلا لوں گی۔"

"شاباش ——— یہ دیکھو گھر کا حلیہ بدل گیا ہے۔ اب اپنا حلیہ بھی بدل ڈالو۔"

"پلنگ کی چادر بچھانے دیجیے ——— پھر میں غسل کرنے جاؤں گی۔"

وہ فرہاد کے پاس سے صوفہ کے قریب آ گئی ——— وہاں بازار سے خرید کر لائی ہوئی۔ چادر اور تکیے کے غلاف رکھے ہوئے تھے۔ وہ چادر اٹھا کر پلنگ پر بچھانے لگی۔

چادر بچھتے ہی فرہاد تھکے ہوئے انداز میں لیٹ گیا۔ شبنم پلنگ کے سرے پر بیٹھ کر تکیہ پر غلاف چڑھانے لگی۔

کمرے کی خاموشی میں ہولے ہولے چوڑیوں کا ترنم جاگ رہا تھا۔ غلاف چڑھاتے وقت ہاتھ ادھر سے ادھر ہو رہے تھے، اور

چوڑیاں بج رہی تھیں۔

فرہاد بڑی لگن سے اسے دیکھ رہا تھا۔ عورت خاموش رہ کر بھی اپنی چوڑیوں کی سرگوشیوں سے توجہ کو پکارتی ہے۔

"اے میرے محبوب! مجھے دیکھو۔

میں ایک ساز ہوں جس کی آواز تمہارے دل سے اُٹھ رہی ہے۔

کیا ایسی مترنم آواز پہلے کبھی تمہارے دل سے اٹھی ہے؟

سچ بتاؤ ——— تنہائی میں یہ کھنکتی ہوئی چوڑیاں تم سے کیا کہہ رہی ہیں؟"

فرہاد لیٹے ہی لیٹے ذرا سا اٹھا اور ایک ہاتھ کی کہنی ٹیک کر اس کے قریب ہو گیا۔

"شبنم ——— !"

"جی ——— !"

اس نے اپنا سر شبنم کے شانے پر رکھ دیا۔ اس کی اُجلی گردن سانسوں کی آنچ سے تپنے لگی ——— تکیہ ہاتھ سے چھوٹ کر پلنگ کے نیچے گر پڑا۔

"شبنم ——— ! وہ کوٹھی ہم نے چھوڑ دی۔ کیونکہ وہ ہمارے قابل نہیں تھی ——— یاد ہے، تم نے کہا تھا کہ تمہیں ہاتھ لگانے سے

پہلے میں وہاں سے تمہیں کہیں دور لے جاؤں ـــــ اپنا ایک گھر بناؤں ـــــ جہاں ایمانداری سے ہمارے درمیان رشتہ ہو سکے . . . . ."

شبنم کے رخساروں پر حیا کی لالی آگئی۔

فرہاد نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنی آغوش میں چھپا لیا۔

"ہم نے بڑے اعتماد سے یہ گھر بسایا ہے۔

اس اعتماد سے کہ کوئی ہمیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکتا۔

سماج کی نفرتیں اور لعنتیں اس گھر کی چار دیواری میں نہیں آسکیں گی ـــــ اگر آئیں گی تو ہم ڈٹ کر ان کا مقابلہ کریں گے . . . ."

شبنم نے بڑی محبت اور عقیدت سے اسے دیکھا اور اپنی بانہیں اس کی گردن میں حمائل کرتی ہوئی بولی۔

"اتنی ساری خوشیاں دیکھ کر کبھی کبھی یقین نہیں آتا کہ میں جاگ رہی ہوں۔ یہ سب کچھ خواب معلوم ہوتا ہے۔ دل ڈرتا ہے کہ کہیں یہ خواب ٹوٹ نہ جائے۔"

"یہ خواب نہیں ہے پگلی ـــــ یہ لو میں تمہارے دل کی گہرائیوں

میں اُتر رہا ہوں۔ اب یقین کر لو۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنے ہونٹوں کو شبنم کے لرزتے ہونٹوں پر اتار دیا۔ اور اس کے دل کے دروازے پر دستک دینے لگا ـــــ

دھک ـــــ دھک ـــــ دھک ـــــ دھک ـــــ

دھک ـــــ دھک . . . . .

"مجھے یقین ہے ـــــ مجھے یقین ہے فرہاد کہ آپ میرے خوابوں کی تعبیر بن گئے ہیں۔"

فرہاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہیں رفتہ رفتہ بہت سی خوشیوں کا یقین آئے گا۔ ایک خوشخبری سنانا تو بھول ہی گیا ـــــ عزت کا رشتہ بھی بہت جلد طے ہونے والا ہے۔"

"سچ ـــــ؟" اس نے خوش ہو کر پوچھا ـــــ "کہاں طے ہو رہا ہے؟"

"جس ادارے میں وہ کام کرتی ہے ـــــ اسی ادارے کے مالک سے منسوب ہونے کی توقع ہے۔ ان کا نام نواز احمد درانی ہے۔ آج شام کو پانچ بجے میں ان سے ملنے جاؤں گا۔"

وہ کچھ سوچنے لگی۔

فرہاد نے پوچھا۔

"کیا سوچ رہی ہو ۔۔؟"

"میں سوچ رہی ہوں کہ وہ ادارے کے مالک ہیں، بہت بڑے آدمی ہوں گے، بہت بڑا خاندان ہوگا۔"

"ہاں ۔۔۔ وہ خاندانی لوگ ہیں۔"

اس کا دل فرہاد کے سینے سے لگا دھڑک رہا تھا۔ اس نے دھڑکتے ہوئے دل سے کہا۔

"لڑکی سے رشتہ کرنے سے پہلے لوگ اچھی طرح چھان بین کرتے ہیں ۔ کیا ۔۔۔ کیا نواز صاحب میرے متعلق کچھ جانتے ہیں۔"

فرہاد کو اس سوال کے پیچھے ایک تاریک جان لیوا گہرائی نظر آئی، جواب دیتے ہوئے وہ اس سوال کی اندھی گہرائی میں گر سکتا تھا۔ اس نے ٹالنے کے لئے کہا۔

"نواز صاحب کو تمہارے متعلق جاننے کی ضرورت ہی کیا ہے تم میری ہو ۔۔۔ میں تمہیں جانتا ہوں ۔۔۔ اور سمجھتا ہوں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے ۔۔۔ ہم ایک دوسرے کے لئے پُرخلوص ہیں ۔۔۔ یہاں ہماری کوئی بات نہیں ہے ۔۔۔ عزت باجی

کی ازدواجی زندگی کا مسئلہ ہے ۔۔۔ ایک جوان لڑکی جہاں بیاہ کر جاتی ہے، وہاں کے لوگ اس کے میکے والوں پر کڑی نکتہ چینی کرتے ہیں ۔۔۔ جن میں عیب نہیں ہوتا۔ ان کے بھی عیب نکالے جاتے ہیں اور میں تو ۔۔۔ میں تو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

وہ آگے نہ کہہ سکی۔ اس سے پہلے ہی فرہاد نے اس کی آواز پر اپنے ہونٹوں کی مہر لگا دی۔

تھوڑی دیر تک گہری خاموشی طاری رہی۔

تھوڑی دیر کے لئے زندگی کی تلخیوں کو فرہاد نے بوسے کی مٹھاس میں گھول دیا۔

پھر اس کے بعد کہا۔

"تم اپنے ماضی کی کتاب کبھی نہ کھولنا۔ یہ میں تمہیں پہلے ہی سمجھا چکا ہوں۔"

"میں اپنے ماضی کی کتاب بند کر چکی ہوں فرہاد! ۔۔۔ میں تو عزت باجی کے مستقبل کا پہلا ورق الٹنا چاہتی ہوں ۔۔۔ ہم نے جذباتی انداز میں ایک دوسرے کے متعلق سوچا اور عزت باجی کو بھول گئے۔ مگر اب ان کے مستقبل کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اب ہمیں ان کے متعلق سنجیدگی سے سوچنا ہوگا۔"

"تم سوچنے کی بات کرتی ہو۔ ہم تو اس کے ہاتھوں میں مہندی رچائیں گے اور اسے دلہن بنا کر عزت آبرو سے رخصت کریں گے۔ تمہارے دل میں خواہ مخواہ اندیشے پیدا ہو رہے ہیں۔"

"خدا کرے کہ یہ اندیشے غلط ثابت ہوں ——— لیکن فرہاد اگر ہم پہلے سے احتیاطی تدبیر کر لیں تو کیا حرج ہے؟"

اس نے تعجب سے پوچھا۔

"تم کہنا کیا چاہتی ہو ——؟"

وہ کہتی ہوئی ہچکچانے لگی۔

"میں ——— میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ ——— ہم ——— ہم ابھی اپنی شادی کے متعلق نہ سوچیں ——— عزت باجی کی شادی ہو جائے گی، تو پھر ہم ایک ہو جائیں گے۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو ——— کل امی تمہیں انگوٹھی پہنانے آئیں گی۔"

شبنم کی دل میں خوشی کی ایک لہر پیدا ہوئی۔ بہت سی آرزوئیں سر اٹھا کر گنگنانے لگیں۔ ایک شریف خاندان کی معزز خاتون یہاں آ کر اسے انگوٹھی پہنائے گی۔ اسے بہو تسلیم کرے گی اور اسے اپنے بیٹے کے ساتھ ایک نیا گھر بسانے اور نئی زندگی گزارنے کی دعائیں دیں گی۔

ملے ——— وہ اپنی منزل کے کتنے قریب پہنچ گئی ہے۔

آہ ——— وہ اپنی منزل پر پہنچ کر واپس لوٹنا چاہتی ہے۔

کیونکہ وہ عزت کو بہت پیچھے راستے میں تنہا نہیں چھوڑنا چاہتی ——— وہ خود بہت عرصہ تک تنہا بھٹک چکی تھی۔ بدنامیوں کے خبیث چہرے دیکھ چکی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی وجہ سے ایک شریف لڑکی بن بیاہی بیٹھی رہ جائے۔

اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"میں جانتی ہوں، امی مجھے دعائیں دیں گی ——— انگوٹھی کل نہ سہی، سال بھر کے بعد بھی پہنائی جا سکتی ہے۔ ابھی آپ ہماری منگنی کا خیال دل سے نکال دیجئے۔"

"نہیں شبنم ——— ! میں تمہیں جلد سے جلد اپنانا چاہتا ہوں —— میں جو فیصلہ کر چکا ہوں اس سے تم انکار نہیں کر سکتیں ——— کیا انکار کرو گی؟"

اس نے جواب نہیں دیا۔ خاموش رہی۔

اسے خاموش دیکھ کر فرہاد نے پھر پوچھا۔

"جواب دو ——— کیا انکار کرو گی؟"

وہ آہستگی سے بولی۔

"اگر میرے انکار کرنے سے عزت باجی کی زندگی سنور سکتی ہے تو مجھے انکار ہے۔"

فرہاد کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اسے احساس ہوا کہ اس کی محبوبہ اسے اہمیت نہیں دے رہی ہے۔ اس نے غم اور غصہ کے ملے جلے لہجہ میں پوچھا۔

"کیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے؟"

"فرہاد ـــــ اصرف آپ سے محبت کروں گی تو یہ میری خودغرضی ہوگی ـــــ مجھے آپ کی امی سے اور آپ کی بہن سے بھی اتنی ہی محبت کرنی ہوگی ـــــ ورنہ میں ایک خوشگوار گھریلو زندگی نہیں گزار سکوں گی ـــــ مجھے اپنی نند کی نیک نامی اور مستقبل کے متعلق سوچنے کا حق ہے ـــــ آپ مجھ سے میرا یہ حق کیوں چھین رہے ہیں؟"

فرہاد کے ذہن سے دھند چھٹ گئی۔

اس نے اپنی محبوبہ کو دیکھا ـــــ اس کا ظاہر ہی نہیں باطن بھی شبنم کے مصفا قطروں کی طرح اجلا تھا ـــــ وہ اس اجلے دمکتے ہوئے وجود کا قطرہ قطرہ چومنے لگا ـــــ نفس نفس خراج تحسین دینے لگا۔

"تم ٹھیک کہتی ہو۔ تم اپنی گھریلو زندگی کو اور اپنے فرائض کو جتنی اچھی طرح سمجھتی ہو۔ اتنی اچھی طرح میں نہیں سمجھ سکتا ـــــ تم نے اپنی ذہانت سے، اپنی باتوں سے اور اپنی اداؤں سے اتنا متاثر کیا ہے۔ کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔

میں تمہارے اس مشورے کو تسلیم کرتا ہوں ـــــ اب ہماری پہلی کوشش یہی ہوگی کہ جلد سے جلد عزت کے ہاتھ پیلے ہو جائیں۔

لیکن یہ بات یاد رکھو۔ شبنم کہ عزت کے بیاہنے کے بعد بھی دنیا والوں سے ہماری جنگ ختم نہیں ہوگی۔ گھسی پٹی شرافت کا دم بھرنے والے ہر قدم پر ہماری مخالفت کریں گے۔

ابھی ہمارے سامنے ایک لمبی عمر پڑی ہے۔

کتنے ہی خواب ہیں جو تعبیر کے لئے مچل رہے ہیں۔

میرے سامنے یہ چھوٹا سا گھر ہے۔ اور تم ہو۔

تم ـــــ جو میرے پیار کی ابتدا ہو۔

اس پیار سے ابھی کتنے ہی پھول مہکیں گے۔

میرے بچے تمہاری کوکھ میں پرورش پائیں گے۔

تم ماں بنو گی ـــــ اور میرے بچوں کو مکمل انسان بناؤ گی۔

پھر ان بچوں کے سامنے مخالفتیں جنم لیں گی۔

لوگ پوچھیں گے کہ ان بچوں کی ماں کون ہے؟ ——— اور وہ کیا تھی؟ ——— اور وہ اس شریف سماج میں کہاں سے آئی تھی؟

ہم اس وقت بھی سماج سے لڑیں گے ——— بوڑھے ہونے کے باوجود لڑیں گے ——— کیونکہ اس وقت ہم تنہا نہیں ہوں گے۔ اس وقت ہماری اس جنگ میں ہمارے بچے ہماری نسل بھی ہمارے شانہ بہ شانہ ہوگی۔ ۔ ۔ ۔"

آہ ——— کتنا حوصلہ اور کتنی مضبوط اور مستحکم امیدیں جنم لے رہی تھیں۔ دور دور تک مستقبل روشن ہوتا جا رہا تھا۔ اس جنم جلی کی کوکھ میں اَن دیکھے اور اَن چھوٹے بچے ہمک رہے تھے اور خیالوں کے پالنے میں ننھے منے ہاتھ اٹھا کر پکار رہے تھے۔

"امی ——— میری امی ——— ہماری امی! ——— آپ سوچتی کیوں ہیں؟ ——— روتی کیوں ہیں؟ ——— ہم آ رہے ہیں آپ کا خون پینے والوں نے آپ کی توہین کی ہے، مگر آپ کا دودھ پینے والے بچے آپ کے لئے ڈھال بن جائیں گے، اب آپ تنہا نہیں ہیں پھر آپ روتی کیوں ہیں ۔ ۔ ۔ ۔؟"

وہ رو رہی تھی، زندگی کے کرب سے اور مستقبل کی خوشگوار امید سے ۔ ۔ ۔

وہ رو رہی تھی، اپنے محبوب کے پیار کی دیوانگی سے اور ممتا کی تڑپ سے ۔ ۔ ۔ ۔

وہ آنسو نہیں تھے، امیدوں اور آرزوؤں کی برسات تھی۔ فرہاد اس بارش میں بھیگ رہا تھا اور اسے ایک حسین مستقبل کی بشارت دے رہا تھا

میں آپ کے لئے اجنبی ہوں اور آپ نے مجھے گھر کے اندر آنے کی اجازت دی ہے. معلوم ہوتا ہے کہ آپ اجنبیوں سے بڑی جلدی بے تکلف ہو جاتے ہیں۔

نواز صاحب کا سکون برباد ہو چکا تھا ـــــ عجیب اضطراب کا عالم تھا. اندر ہی اندر لاوا سا پک رہا تھا. وہ لاوا تھا شبنم اور فرہاد سے نفرت کا ـــــ وہ لاوا تھا عزت سے بے انتہا محبت کا ـــــ اور شدید غم و غصہ کا ـــــ غم اس بات کا تھا کہ اس نے شبنم کی خاطر انہیں نظر انداز کیا تھا اور غصہ اس بات کا تھا کہ وہ عزت کے لئے دل ہار بیٹھے تھے ـــــ یعنی انہیں اپنے آپ پر بھی غصہ آ رہا تھا.

وہ سوچ رہے تھے کہ انہوں نے ماہنامہ "عزت" کا اجرا کر کے سخت غلطی کی ہے، نہ اس رسالے کی اشاعت کا پروگرام بنتا اور نہ عزت

ان کے اتنے قریب آتی ـــــ مگر نہیں، صرف عزت ان کے قریب نہیں آئی تھی، وہ بھی اس کے قریب ہوتے گئے تھے۔ دونوں طرف برابر کی آگ لگی تھی۔

اب یہ آگ کیسے بجھے گی؟

جس طرح وہ پرانے مسودے فائل سے نکال کر ردی کی ٹوکری میں پھینک دیتے ہیں، کیا اسی طرح عزت کو بیکار ردی مسودہ سمجھ کر دل کی فائل سے نکال سکتے ہیں؟

نہیں، یہ ان کے بس کی بات نہیں تھی۔

پھر بھی انہوں نے خود کو بہلانے کی کوشش کی۔ آفس سے نکل کر گھنٹوں کار میں گھومتے رہے تاکہ باہر کی رونق اور چہل پہل دیکھ کر وہ عزت کو کم از کم تھوڑی دیر کے لئے بھول جائیں۔

موسیقی بہت سی پریشانیوں کو تھپک کر سلا دیتی ہے۔ انہوں نے ریڈیو آن کر دیا۔

سوئچ آن کرتے ہی انہیں وہ رات یاد آ گئی جب عزت ان کے ساتھ کار میں بیٹھی ہوئی تھی اور ریڈیو سے ڈرامہ نشر ہو رہا تھا ـــــ اب جتنی دیر تک ریڈیو بولتا رہتا، عزت بھی ان کی سوچ میں گنگناتی رہتی۔

انہوں نے ریڈیو کو بند کر دیا۔

وہ کلفٹن گئے۔

وہ ہل پارک کی سیر کرتے رہے۔

وہ شالیمار نرسری کے جھیل کنارے ٹہلتے رہے۔

لیکن وہ ہر مقام پر کسی نہ کسی روپ میں ان کے سامنے آ گئی۔

کسی لڑکی کا لباس دیکھ کر اس کا لباس یاد آ گیا۔

کسی کے چلنے کا انداز ـــــ کسی کی گفتگو کی مٹھاس ـــــ سریلی آواز کا سحر ـــــ تبسم کی لجائیت ـــــ نگاہوں کی اپنائیت ـــــ مشابہت ہر جگہ تھی ـــــ درخت سے چھن چھن کر آنے والی اُجلی چاندنی کی طرح عزت کا حسن اس شہر کی تمام لڑکیوں میں ذرا ذرا تقسیم ہو گیا تھا۔

تھک ہار کر انہوں نے دل ہی دل میں تسلیم کر لیا کہ ان کے دل و دماغ سے وہ فراموش نہیں کی جا سکتی۔

اور پھر وہ اسے بھلا کیوں رہے ہیں؟

آخر عزت کا قصور کیا تھا؟

صرف یہی کہ اس نے ان کی مرضی کے خلاف فیصلہ کیا تھا ـــــ لیکن اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ ان سے محبت نہیں کرتی ہے ـــــ

اس نے شادی سے انکار نہیں کیا تھا۔ صرف اس وقت تک کے لئے شادی کا پروگرام ملتوی کرنے کے لئے کہا تھا جب تک کہ اسکے بھائی جان اور شبنم کی شادی نہ ہو جائے۔

دراصل ان کی پریشانیوں کی وجہ عزت نہیں تھی۔

شبنم تھی۔

ان کے دل کا غبار ذرا چھٹنے لگا۔

آہستہ آہستہ کار ڈرائیو کرتے ہوئے انہوں نے سوچا کہ وہ عزت سے نفرت نہیں کر سکتے، شکایت کر سکتے ہیں۔ اس نے ایک بھٹکی ہوئی عورت کے متعلق جذباتی انداز میں سوچا ہے اور اسے بھابھی بنانے کا احمقانہ فیصلہ کیا ہے۔

بہر حال اتنا زیادہ پریشان ہونے کی بات نہیں تھی۔ آپس میں اختلافات ہوتے ہی رہتے ہیں۔ کبھی لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں، کبھی صلح صفائی ہو جاتی ہے۔ آج عزت جذباتی انداز میں سوچ رہی ہے۔ کل وہ پچھتا بھی سکتی ہے . . . .

"اسٹاپ ـــــ رک جائیے!"

سامنے سڑک پر سرخ رنگ سے لکھا ہوا تھا کہ راستہ زیر مرمت ہے ـــــ انہوں نے کار دائیں جانب ایک گلی میں موڑ دی۔ اس گلی کے

مختلف پیچ و خم کے بعد آگے جا کر پھر یہ راستہ مل جاتا تھا۔ لیکن گلی کے ایک موڑ سے ٹرننگ لیتے ہی انہوں نے کار روک دی۔

ان کے بائیں جانب ایک چھوٹا سا پختہ مکان تھا۔ اس کے برآمدے میں کھڑی ہوئی عورت کو دیکھ کر انہیں ایسا لگا تھا جیسے انہوں نے شبنم کو دیکھا ہو۔

وہ شبنم ہی تھی ـــــ دھوپ میں کھڑی ہوئی اپنے بھیگے بالوں کو تولیہ سے جھٹک رہی تھی ـــــ اس وقت وہ گلابی رنگ کی ساڑی پہنے ہوئے تھی۔ اس کے مسکراتے ہوئے چہرے اور گنگناتی ہوئی سریلی آواز صاف پتہ چل رہا تھا کہ اس کے محبوب نے اسے اتنی ساری خوشیاں دی ہیں کہ وہ تنہائی میں گنگنا کر ان کا اظہار کر رہی ہے۔

نواز صاحب دور کار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس لئے اس کی گنگناہٹ کو نہ سن سکے۔ چپ چاپ اسے دیکھتے رہے اور سوچتے رہے کہ اگر یہ عورت ہمارے راستے سے ہٹ جائے تو ان کے اور عزت کے درمیان جو اختلاف ہے وہ ختم ہو جائے گا۔

بس یہی ایک عورت ہے جو ان کے راستے پر "اسٹاپ" کے سرخ بورڈ کی طرح کھڑی ہوئی ہے اور انہیں عزت تک پہنچنے سے

روک رہی ہے۔

وہ اپنی کار سے باہر آگئے۔

شبنم تولیے کو اپنے شانے پر رکھ کر مکان کے اندر جا رہی تھی۔

انہوں نے مکان کے احاطہ میں قدم رکھتے ہوئے سوچا کہ فرہاد بھی یقیناً یہاں موجود ہوگا ـــــ چلو اچھا ہے، وہ انگوٹھی کے سلسلہ میں مجھ سے ملاقات کرنا چاہتا تھا۔ اس کے ساتھ بھی یہاں تفصیلی گفتگو ہو جائے گی۔

دروازے کا ایک پٹ کھلا ہوا تھا، پھر بھی انہوں نے دستک دی ـ

دور کہیں سے شبنم کی کھنکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"کون ـــــ جسٹ اے منٹ . . . ."

تھوڑی دیر کے بعد وہ ساڑی کا آنچل سر پر رکھتی ہوئی دروازے پر آگئی اور انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

نواز صاحب نے اسے دور سے دیکھا تھا۔ اب قریب سے دیکھتے ہی انہیں محسوس ہوا کہ وہ بہت پہلے بھی اسے دیکھ چکے ہیں۔ کہاں دیکھا ہے۔ یہ انہیں یاد نہیں آ رہا تھا۔

شبنم کی آنکھوں میں شناسائی کی ہلکی سی چمک پیدا ہوئی ـ پھر اس نے پوچھا۔

"فرمایئے ـــ؟"

انہوں نے جواب دیا۔

"میں فرہاد صاحب سے ملنا چاہتا ہوں ـ"

"فرہاد صاحب!" اس نے تعجب سے پوچھا "آپ کیسے جانتے ہیں کہ فرہاد صاحب یہاں رہتے ہیں؟"

"کیا میں غلط جگہ آگیا ہوں ـ؟"

"جی نہیں ـــــ آپ صحیح جگہ آئے ہیں ـــــ لیکن ہم آج ہی صبح اس مکان میں آئے ہیں۔ آپ کو یہاں کا پتہ کیسے معلوم ہوگیا؟"

انہوں نے قدرے طنزیہ انداز میں کہا۔

"آپ کو دیکھ کر فرہاد صاحب کا پتہ چل جاتا ہے۔ میں یہاں سے گزر رہا تھا۔ آپ پر نظر پڑی تو یہاں آگیا ـ"

شبنم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ حالانکہ انہوں نے طنز کیا تھا۔ مگر شبنم کے لئے یہ بات قابل فخر تھی کہ اسے دیکھ کر لوگ اس کے فرہاد کو تلاش کر لیتے ہیں۔

اس نے اخلاقاً کہا۔

"تشریف لائیے۔"

وہ مکان میں داخل ہوتے ہوئے بولے۔

"معلوم ہوتا ہے فرہاد صاحب نہیں ہیں۔"

"نہیں ـــــ وہ کسی کام سے گئے ہیں ـــــ آٹھ بجے سے پہلے نہیں آئیں گے۔"

نواز صاحب نے اسے حقارت سے دیکھ کر کہا۔

"میں آپ کے لئے اجنبی ہوں اور آپ نے مجھے گھر کے اندر آنے کی اجازت دی ہے ـــــ معلوم ہوتا ہے آپ اجنبیوں سے بڑی جلدی بے تکلف ہو جاتی ہیں۔"

شبنم نے جواب دیا۔

"جی نہیں ـــــ کسی شریف آدمی کو گھر میں بلانے کا مطلب بے تکلفی نہیں ہے ـــــ میرے گھر کا دروازہ کھلا ہونے کے باوجود آپ دستک دے رہے تھے، آپ کی اتنی سی شرافت میرے لئے کافی ہے ـــــ پھر یہ کہ آپ لئے اجنبی نہیں ہیں، میں آپ کا نام نہیں جانتی۔ اتنا جانتی ہوں کہ آپ بخاری صاحب کے پڑوسی ہیں۔"

انہوں نے حیرت سے اسے دیکھا۔

پھر کہا۔

"مجھے بھی کچھ کچھ یاد آ رہا ہے کہ میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے۔"

وہ مسکرا کر بولی۔

"میں آپ کو بتاتی ہوں ـــــ آج سے دو سال پہلے بخاری صاحب کے ہاں شادی کی تقریب میں ہماری ملاقات ہوئی تھی ـــــ تمام لوگ بوفے اسٹال سے کھڑے ہو کر کھا رہے تھے ـــــ آپ بھی ہیٹر کے قریب کھانے میں مصروف تھے ـــــ یکایک ہیٹر کی آگ نے آپ کی کیرلن کی قمیض کو چھو لیا ـــــ پھر اس سے پہلے کہ آپ کو اس آگ کی خبر ہوتی ـــــ میں نے اپنی پیالی کی چائے آپ کی قمیض پر پھینک دی۔

آپ نے پلٹ کر مجھے دیکھا اور اس توہین پر آگ بگولا ہو گئے کہ ایک عورت نے اپنی جھوٹی چائے آپ پر پھینکی ہے۔

وہ تو خیریت ہوئی کہ ثبوت کے طور پر آپ کی قمیض کا پچھلا دامن آگ کے شعلے سے جھلسا ہوا نظر آگیا۔ ورنہ آپ مجھے ذلیل کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے....."

نواز صاحب ایک ٹک اسے دیکھے جا رہے تھے۔ دو سال پہلے کے واقعہ کی پوری تفصیل ان کی نگاہوں کے سامنے آگئی تھی۔

انہوں نے روکھے لہجے میں کہا۔

"اپنا جھوٹا کسی پر پھینکنا سراسر بدتمیزی ہے ـــــ آپ کے قریب پانی کا گلاس بھی رکھا ہوا تھا ـــــ کیا آپ پانی سے آگ نہیں بجھا سکتی تھیں ـــ؟"

شبنم نے حیرت سے کہا۔

"تعجب ہے، آج بھی آپ کو یہی شکایت ہے ـــــ آپ اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتے کہ آگ بھڑکتی دیکھ کر بدحواسی میں کچھ نہیں سوجھتا ـــ میرے ہاتھ میں چائے تھی، میں نے چائے سے بجھا دی، جتنی دیر میں پانی کا گلاس اٹھانے کے لئے میں گھومتی اور اسے استعمال کرتی، اتنی دیر میں آگ اور زیادہ بھڑک جاتی۔

لیکن آپ کا فلسفہ کچھ عجیب ہے۔ خطرے کے وقت بھی آپ دوسروں کو تمیز کے طریقے سکھاتے ہیں ـــــ بہرحال میں نے نیکی کرنی چاہی تھی۔ وہ آپ کے لئے برائی ہو گئی۔ اس کا مجھے افسوس ہے۔ اب آپ پچھلی باتوں کو بھول جایئے ـــــ یہاں تشریف رکھیئے، آپ تو ابھی تک کھڑے ہوئے ہیں۔"

وہ ایک کرسی پر بیٹھ گئے، پھر انہوں نے کرسی کے دونوں ہتھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"آپ پچھلی باتوں کو بھول جانے کے لئے کہہ رہی ہیں ـــــ حالانکہ ماضی کبھی بھلایا نہیں جاتا ـــــ خواہ مرد کا ماضی ہو، یا عورت کا ماضی ....."

شبنم کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔

اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"بھولنا یا نہ بھولنا حالات پر منحصر ہے۔ وہ ماضی جس سے مستقبل کی تعمیر ہوتی ہے یاد رکھا جاتا ہے، ورنہ بھلا دیا جاتا ہے۔ کل جہاں کھنڈر تھا، آج وہاں تاج محل ہے۔ دنیا نے کھنڈر کو بھلا دیا۔ لیکن اس کھنڈر سے اٹھنے والے تاج محل کو قیامت تک نہیں بھلا سکے گی۔"

نواز صاحب نے کہا۔

"انسانی زندگی پر بات چلے تو بے جان عمارتوں کی مثالیں دل کو نہیں لگتیں، ویسے بھی میں بحث کرنے کا عادی نہیں ہوں، میں تو فرہاد صاحب سے ملنے کے لئے یہاں اس لئے آ گیا کہ مجھے ان کا گھر کا پتہ معلوم نہیں ہے، ورنہ دستور کے مطابق مجھے ان کی امی کے پاس جا کر رشتہ کی بات کرنی چاہیئے۔"

شبنم نے چونک کر پوچھا۔

"رشتہ کی بات ـــــ کک ـــــ کس سے رشتہ ـــــ مم ـــــ میرا مطلب ہے کیا ـــــ کیا آپ عزت باجی کیلئے بات

کریں گے ۔؟"

"جی ہاں ۔!"

وہ بدحواس سی ہو گئی۔

"اوہ ـــــ میں بھی عجیب ہوں، میں نے اب تک آپ کا نام نہیں پوچھا ۔ ۔ ۔ ۔"

"میرا نام نواز احمد درانی ہے ۔"

وہ دھپ سے کرسی پر بیٹھ گئی ـــــ جلدی جلدی سر کا آنچل درست کرنے لگی ـــــ پھر کچھ گھبراہٹ کے اور کچھ خوشی کے ملے جلے لہجہ میں بولی۔

"میں کتنی خوش نصیب ہوں کہ آپ میرے ہاں تشریف لائے ہیں ـــــ فرہاد صاحب ابھی آپ کا ذکر کر رہے تھے۔ وہ ابھی پانچ بجے آپ کے ہاں جانے والے ہیں ۔"

"مجھے معلوم ہے، میں بھی اسی سلسلہ میں گفتگو کرنے آیا ہوں ـــ دیکھئے! شادی بیاہ گڑیوں کا کھیل نہیں ہے، بہت سوچ سمجھ کر ـــ لڑکی اور اس کے خاندان والوں کو دیکھ سمجھ کر رشتہ طے کرنا پڑتا ہے ـ پہلے مجھے اس کا تجربہ نہیں تھا، لیکن ایک جگہ منگنی ہونے کے بعد میں نے بہت کچھ سیکھ لیا ہے ۔"

"کس کی منگنی ـــ؟"

شبنم نے پوچھا۔

نواز صاحب نے جواب دیا۔

"میری منگنی ـــــ لیکن میں نے وہ منگنی توڑ دی ہے ۔"

"کیوں ـــ؟"

"کیونکہ اس لڑکی کے خاندان میں ایک طوائف بیاہ کر آئی تھی۔"

شبنم کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا ـــــ اس کا سارا بدن کانپنے لگا۔ چہرے پر ایسی زردی چھا گئی، جیسے نواز صاحب نے ایک ہی بات سے اس کا خون نچوڑ لیا ہو۔

انہوں نے کن انکھیوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے اس منگنی کے ٹوٹنے کا افسوس ہے، کیونکہ وہ لڑکی بہت اچھی تھی۔ اس میں کوئی عیب نہیں تھا۔ لیکن میں کیا کرتا ـــــ باہر میری عزت ہے لوگ میری قدر کرتے ہیں اگر ان میں سے کسی کو معلوم ہو جائے کہ لڑکی کے میکے میں ایک بدنام عورت رہتی ہے تو کیا میں کسی سے آنکھ ملا کر بات کر سکوں گا؟"

"مم ـــــ مگر ـــــ وہ عورت ـــــ اگر نیکی اور شرافت سے زندگی گزارتی ہو تو دنیا والوں کو سمجھایا جا سکتا ہے ۔"

"بکواس ہے ـــــ ہم دن رات کاروبار میں سر کھپاتے ہیں۔ شادی اس لئے کرتے ہیں کہ آرام و سکون میسر ہو۔ اگر ایسی بدنامیاں اور پریشانیاں گلے پڑ جائیں تو پھر تھکے ہوئے ذہن کو سکون کہاں ملے گا۔

صاف بات تو یہ ہے کہ شادی وہاں کی جائے جہاں ایک خیالی اور ایک نظریہ کے لوگ ہوں۔ لیکن آپ کو تو میرے نظریئے سے اختلاف ہے۔"

شبنم نے جلدی سے کہا۔

"ن ـــــ نہیں ـــــ مجھے آپ سے اختلاف نہیں ہے ـــــ آپ ـــــ آپ ٹھیک کہتے ہیں ـــــ ایک بدنام عورت کی خاطر برسوں کی بنائی ہوئی عزت کو مٹی میں نہیں ملانا چاہیئے ـــــ آپ جیسے مصروف لوگوں کے لئے آرام و سکون لازمی ہے۔"

نواز صاحب نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"آپ بہت سمجھ دار ہیں ـــــ بہت سی لڑکیاں خود غرض ہوتی ہیں ـــــ دوسروں کی عزت اور خاندانی شرافت کا ذرا خیال نہیں کرتیں ـــــ ارے ہاں، میں تو پوچھنا ہی بھول گیا کہ فرہاد صاحب کے گھر والوں سے آپ کا کیا رشتہ ہے۔؟"

"کک ـــــ کچھ نہیں ـــــ کچھ بھی تو نہیں ـــــ میرا ان سے

کوئی رشتہ نہیں ہے۔"

"اچھا ـــــ لیکن میں نے اکثر آپ کو فرہاد صاحب کے ساتھ دیکھا ہے۔"

"وہ ـــــ وہ میرے بزنس پارٹنر ہیں۔ ان کی محنت ہے اور میرا سرمایہ ہے۔ بس اور کچھ نہیں ـــــ اور کچھ بھی نہیں . . . "

فرہاد سے بیگانگی ظاہر کرتے کرتے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اس نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

آہ ـــــ وہ کیسے کہے کہ وہ بزنس پارٹنر نہیں بلکہ لائف پارٹنر ہے۔

اس کی زندگی کی ایک ایک سانس کا نام فرہاد ہے۔ وہ فرہاد کے رشتہ کو جھٹلا رہی ہے یا اپنی زندگی سے ناطہ توڑ رہی ہے۔

فرہاد اس کا کوئی نہ ہوگا تو پھر اس کی زندگی میں کیا ہوگا۔ کچھ نہیں ـــ یہ دنیا اس کے لئے مر جائے گی۔

دنیا کب کسی کے لئے مرتی ہے ـــــ وہی دنیا کے ہاتھوں مر جائے گی۔

اور اب مرنے کے لئے کیا رہ گیا تھا۔

صرف سانس رکنے سے ہی آدمی نہیں مرتا۔ اس کی آرزوؤں اور

نیکیوں کو کچل دیا جائے تو وہ موت سے پہلے مر جاتا ہے۔

جیسے وہ مر گئی تھی۔

اس نے جلدی سے آنسو پونچھ کر نواز صاحب کو فرہاد کی خاندانی شرافت کا مکمل یقین دلانا چاہا۔

مگر بہت دیر ہو گئی۔ وہ جا چکے تھے۔

پھول کا چہرہ شبنم سے دُھلتا ہے۔ لیکن شبنم کا چہرہ آنسوؤں سے دُھل رہا تھا۔ اس تکیہ سے اور بستر کی ایک ایک شکن سے اسے فرہاد کا پیار تڑپا رہا تھا۔

عزت اپنی تمام آرزوئیں، مسرتیں اور برسوں کے خواب نواز صاحب کے دفتر میں چھوڑ آئی تھی۔

جب انسان تمام مسرتوں سے خالی ہو جائے تو پھر وہ اندر سے کھوکھلا ہو جاتا ہے —— یوں تو کاغذ کے پھول کی طرح حسین اور دلکش ہوتا ہے۔ لیکن خوشبو سے خالی ہوتا ہے۔ عزت بھی اوپر سے بالکل ٹھیک تھی، مگر اندر سے بیمار ہو گئی تھی۔

ماں نے اسے دیکھا تو بیٹی میں کچھ کمی محسوس ہوئی۔ اس نے گھر میں قدم رکھتے ہی اپنی اداسی پر قابو پا لیا تھا۔ مگر چہرے کی پژمردگی چھپی نہ رہ سکی۔

"کہاں گئی تھی بیٹا —— ! کچھ تھکی ہوئی سی نظر آ رہی ہو، چھٹی کے دن تو گھر میں رہا کرو۔"

وہ نڈھال سی ہو کر پلنگ پر لیٹ گئی۔

"ہم لکھنے والیوں کو چھٹیوں کے دن بھی چھٹی نہیں ہوتی —— زندگی میں اتنی کہانیاں بکھری ہوئی ہیں کہ انہیں سمیٹتے سمیٹتے صبح سے شام اور شام سے صبح ہو جاتی ہے۔

میری بات چھوڑیئے امی —— یہ بتایئے کہ کل شبنم بھابھی کے ہاں کس وقت چلیں گے؟"

"شام کے وقت جانا مناسب ہوگا۔"

اس کی والدہ پلنگ کے سرے پر آ کر بیٹھ گئیں اور آہستگی سے بولیں،

"منگنی تو ہو ہی جائے گی۔ میرے بیٹے نے میرے لئے بہو پسند کی ہے، میں اس کی خوشی کے لئے دنیا والوں کی پرواہ نہیں کرتی، مگر بیٹا! —— میں چاہتی ہوں کہ یہ شادی ذرا دیر سے ہو تو اچھا ہے۔"

"کیوں —— جب منگنی ہو جائے گی تو پھر شادی کے لئے دیر کیوں کی جائے؟"

ان کے چہرے پر گہری سنجیدگی آ گئی۔

"عزت ——— میں نے دنیا دیکھی ہے ——— میں نے دیکھا ہے کہ انسان اپنی خوشی کے لئے دنیا کی پرواہ نہیں کرتا۔ مگر جب بہن بیٹی کا مسئلہ سامنے آ جائے تو دنیا والوں کی خاطر وہ اپنی خوشیوں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔

تم خود ہی سوچو ——— شبنم بہو بن کر آئے گی تو تمہارا رشتہ مانگنے والے بہو کو دیکھ کر الٹے پاؤں واپس چلے جائیں گے۔ اسی لئے میں چاہتی ہوں کہ پہلے تمہارے شادی ہو جائے، تم یہاں سے دلہن بنکر رخصت ہو جاؤ پھر میں شبنم کو یہاں لے آؤں گی۔"

بات قاعدے کی تھی۔ اصولاً یہی ہونا چاہیے تھا، عزت نے کروٹ بدل کر ماں سے اپنا منہ چھپا لیا اور کہا۔

"میں شادی نہیں کروں گی۔"

"سبھی لڑکیاں یہی کہتی ہیں۔ کیا ہم تمہیں یوں ہی بٹھائے رکھیں گے اور دنیا والوں کے طعنے سنیں گے؟

فرہاد آج صبح کہہ رہا تھا کہ اس نے تمہارے لئے کوئی اچھا لڑکا دیکھا ہے، آج شام کو وہ ان کے ہاں جائے گا ——— اللہ کرے کہ کچھ بات بن جائے۔ میں پانچ فقیروں کو کھانا کھلاؤنگی۔"

عزت نے آہستگی سے تکیہ کو کھینچ کر اپنے دھڑکتے ہوئے سینے کے نیچے رکھ لیا۔ وہ شادی کے لئے زبان سے انکار کر سکتی تھی، دل سے انکار نہیں کر سکتی تھی ——— دل کی دھڑکتی ہوئی دیوانگی کو روکنے کے لئے اس وقت تکیہ کا ہی سہارا ملا تھا۔

اس کی امی اسے چور نظروں سے دیکھ رہی تھیں ——— وہ بوڑھی تھیں، تجربہ کار تھیں۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ شادی کے نام پر چنگاری پھوٹ پڑی ہے اب یہ چنگاری آپ ہی شعلہ بنے گی۔ اسے چھیڑنا مناسب نہیں ہے۔

وہ خاموشی سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔

عزت آنکھیں بند کئے خوابوں میں گم ہو گئی۔ وہ دیکھ رہی تھی، کہ فرہاد انگوٹھی لے کر نواز صاحب کے ہاں گیا ہے ——— وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہیں اور ان کے درمیان وہ انگوٹھی رکھی ہوئی ہے۔

نواز صاحب کہتے ہیں کہ وہ انگوٹھی محبت کا تحفہ ہے ——— ان کی محبت کا راز کھل جاتا ہے۔ منگنی کے لئے بات آگے بڑھتی ہے پھر نواز صاحب کی عزت اور خاندانی وقار کا سوال آتا ہے۔ اس سوال کے سامنے شبنم ایک مجرمہ کی طرح آ کر کھڑی ہو جاتی

ہے۔

اور —— اور اس کے بھائی جان کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ شبنم کی زندگی سنواریں یا اپنی بہن کا مستقبل۔۔۔۔

بھائی آخر بھائی ہوتا ہے۔ بہن کا مستقبل برباد نہیں کر سکتا —— وہ بہن کی خاطر شبنم سے شادی کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ لیکن وہ ندامت سے شبنم کو منہ نہیں دکھا سکتے۔ اس لئے گھرا کر زہر کھا لیتے ہیں۔۔۔۔"

عزت ہڑبڑا کر بستر پر اٹھ بیٹھی۔

کیسا ظالم خواب تھا —— کیا وہ نواز صاحب کی شریک حیات بننے کے لئے اپنے بھائی کی موت گوارا کر سکتی ہے۔

نہیں —— کبھی نہیں۔۔۔۔

دل نے کہا۔

"مگر یہ تو خواب تھا۔ فرہاد بھلا زہر کیوں کھانے لگا۔"

زہر کھانا تو کوئی کمال نہیں ہے —— زہریلی زندگی گزارنا کمال ہے —— بھائی جان کی زندگی میں کتنی تلخیاں پیدا ہو جائیں گی۔ شبنم سے کئے ہوئے وعدے پورے نہ ہوں گے۔ وہ ندامت سے آنکھیں نہیں ملا سکیں گے اور ہو سکتا ہے —— ہو سکتا

ہے کہ حالات شبنم کو پھر تباہی کے راستے پر لے جائیں۔

وہ بستر سے اتر کر کھڑی ہو گئی —— ریسٹ واچ میں وقت دیکھا تو چار بجنے والے تھے —— ابھی شاید بھائی جان نواز صاحب کے ہاں نہیں گئے ہوں گے۔ ابھی وہ شبنم بھابھی کے ہاں مل سکتے ہیں۔ میں انہیں نواز صاحب کے ہاں جانے سے روک دوں گی۔ بات بڑھنے سے بہتر ہے کہ اس بات تک پہنچنے کا راستہ ہی مسدود کر دیا جائے۔

وہ جلدی سے غسل خانہ میں گئی اور منہ ہاتھ دھو کر تولیہ سے منہ پونچھتی ہوئی اپنی والدہ کے پاس آ گئی۔

انہوں نے کہا۔

"چولہے کے پاس روٹی رکھی ہے۔ سالن گرم کر کے کھا لو۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے —— میں شبنم بھابی کے ہاں جا رہی ہوں۔"

"یہ بھی کوئی جانے کا موقعہ ہے۔ بھوکی سوگئیں اور بھوکی جا رہی ہو۔"

"وہاں کھا لوں گی —— ذرا جا کر دیکھوں گی کہ بھائی جان نے میری بھابی کے لئے کیسا مکان لیا ہے —— مکان ونگٹن

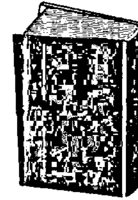
اسٹریٹ میں ہے نا ؟"

"ہاں ۔ !"

"مکان کا نمبر کیا بتایا تھا ؟"

"پانچ کا سات سو سات ——— گرلز اسکول کے ٹھیک سامنے..."

وہ اپنے کمرے میں آگئی اور بکھرے بالوں کو کنگھی سے درست کرنے لگی ۔



پھول کا چہرہ شبنم سے دُھلتا ہے لیکن اس شبنم کا چہرہ آنسوؤں سے دُھل رہا تھا۔

وہ بستر پر منہ اوندھائے پڑی تھی۔ اس تکیہ سے اور بستر کی ایک ایک شکن سے فرہاد کا پیار تڑپ رہا تھا۔ ابھی ابھی تو وہ گیا تھا۔ ابھی ابھی تو محبت کے پھول کھلے تھے اور اب دیکھتے ہی دیکھتے پھولوں کی یہ سیج آتش نمرود بن گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد آنسو تھمنے لگے۔ سنجیدگی سے کوئی اہم فیصلہ کرنے کا وقت آگیا۔

فیصلہ یہ کہ وہ عزت کی خوشیوں کو دیکھے یا اپنے ارمانوں کو ؟

اگر وہ ذرا دیر کے لئے خود غرض بن جائے اور نواز صاحب کی مخالفتوں کے باوجود فرہاد سے شادی کرلے تو کوئی اس کا کیا بگاڑے گا ۔ ؟"

کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا ——— عزت اگر نواز صاحب سے منسوب نہیں ہوگی، تو کسی ایرے غیرے سے منسوب ہو جائے گی۔ شبنم کو کیا غرض تھی کہ اپنے سوا کسی دوسرے کے متعلق سوچے ؟

لیکن وہ خود غرض نہیں تھی ۔

وہ جس گھر میں بہو بن کر جانے والی تھی۔ اس گھر کی خوشیوں کو برباد نہیں کر سکتی تھی۔ ایک خوشگوار گھریلو زندگی گزارنے کے لئے اپنی سسرال کے ہر فرد کی مسرتوں اور نیک نامیوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے ۔

وہ فرہاد کی ماحول میں پھول کھلا سکتی، کانٹے نہیں بکھیر سکتی تھی۔ اس لئے اس نے فیصلہ کیا کہ اسے فرہاد سے دور، بہت دور چلے جانا چاہیئے۔

آنسو پھر اُبل پڑے۔

اس نے اتنا بڑا گھر بسایا تھا۔ سمندر کے کنارے ریت کا گھروندا نہیں بنایا تھا کہ ایک ٹھوکر سے توڑ دیا جاتا اور اس کے ٹوٹنے کا افسوس نہ ہوتا ــــ یہاں تو اس کا گھر نہیں، دل ٹوٹ رہا تھا۔

حالات اس کا مضحکہ اُڑا رہے تھے کہ کوا ہنس کی چال چل رہا تھا، ایک بدکار عورت نیکی اور پاک بازی کی طرف مائل ہو تو اسے ہنس کی چال چلنا ہی کہتے ہیں اور اس کا انجام یہی ہوتا ہے جو شبنم کا ہو رہا تھا۔

اپنی نادانی پر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ آنسو بھی تھے، آہیں بھی تھیں اور ایسی کراہیں بھی تھیں جو دل کے زخم سے ناسور کی طرح رستی ہیں۔

اسی وقت دروازے پر دستک سنائی دی۔

وہ اسی طرح بستر پر پڑی رہی۔ ابھی فرہاد کے آنے کی توقع نہیں تھی، نہ جانے کون دستک دے رہا تھا ــــ اٹھنے کا اس کا جی نہ چاہا۔

دوسری بار دستک ہوئی اور اس کے ساتھ آواز آئی۔

"بھائی جان ــ!"

کسی عورت کی آواز تھی ــــ عزت سے روبرو بیٹھ کر باتیں کرنے کا کبھی موقعہ نہیں ملا تھا، اس لئے وہ آواز سے اسے نہ پہچان سکی ــــ پھر بھی کوئی عورت آئی تھی، اسے دروازے پر جانا چاہیئے تھا۔

وہ بستر سے اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آئی۔ دروازے کھولنے سے پہلے اس نے کھڑکی کا پردہ ذرا سا ہٹا کر دیکھا تو گھبرا سی گئی۔

دروازے پر عزت کھڑی ہوئی تھی۔

اس پر گھبراہٹ طاری ہو گئی ــــ اللہ! ــــ عزت باجی اس کی روئی ہوئی آنکھیں دیکھیں گی تو کیا سوچیں گی!؟

وہ جلدی سے دوڑتی ہوئی غسل خانہ میں گئی اور اپنے منہ پر اور آنکھوں پر پانی کے چھینٹے مارنے لگی۔

دروازے پر پھر دستک ہونے لگی۔

وہ تولئے سے منہ پونچھتی ہوئی بھاگی بھاگی آئی اور دروازے کو کھول دیا۔

"آداب باجی ــ!"

عزت اندر آ کر اس کے گلے لگ گئی۔

"میری اچھی باجی ــــ ہم پہلی بار مل رہی ہیں نا ــــ آپ

بھائی جان سے ملتی ہیں ہم سے نہیں ملتیں ——— بھلا کیوں ؟"

شبنم کا دل محبت سے بھر گیا۔ عزت کی باتوں میں اور اس کے گلے لگنے میں کتنی اپنائیت تھی، وہ اسے بھابھی کہہ رہی تھی یا اپنے خاندان کا ایک اہم رشتہ اسے دے رہی تھی۔

" آپ کے بھائی جان سے کتنی بار میں نے کہا کہ آپ سے ملنا چاہتی ہوں مگر وہ ٹال دیتے ہیں۔"

" بھائی جان کہاں ہیں — ؟"

وہ اس سے الگ ہو کر بولی۔

الگ ہوتے ہی شبنم کی آنکھیں سرخ اور سوجی ہوئی محسوس ہوئیں اس نے پانی کے چھینٹے مار کر آنسوؤں کو چھپا لیا تھا۔ لیکن آنکھوں کی ماتمی کیفیت کو نہ چھپا سکی تھی۔

اس نے حیرانی سے پوچھا۔

" بھابھی ——— آپ رو رہی تھیں ؟"

" ن ——— نہیں تو ——— میں بھلا کیوں روؤں گی ——— آیئے تشریف رکھئے۔"

وہ نظریں چرا کر کرسیوں کی جانب بڑھنے لگی۔ عزت اسے گہری نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔

" کیا بھائی جان نے آپ سے کچھ کہا ہے ؟"

" نہیں ——— انہوں نے کچھ نہیں کہا ——— ہاں آپ کی نسبت کے لئے کہہ رہے تھے کہ آپ نواز صاحب سے منسوب ہونے والی ہیں۔ سچ کہتی ہوں باجی ——— مجھے اتنی خوشی ہو رہی ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔"

عزت اس کی خوشی کے پیچھے اس کی روتی ہوئی آنکھوں کو دیکھ رہی تھی اور سمجھ رہی تھی کہ کس طرح وہ بات کا رخ موڑ کر نواز صاحب کا تذکرہ چھیڑ رہی ہے۔

وہ آہستگی سے بولی۔

" میں نواز صاحب سے منسوب نہیں ہونا چاہتی۔"

شبنم نے چونک کر اسے حیرانی سے دیکھا۔

" ہاں بھابھی ! میں اسی لئے بھائی جان سے ملنے آئی ہوں، ان سے کہنے آئی ہوں کہ ابھی رشتہ کی بات آگے نہ بڑھائیں۔ میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔"

" مگر کیوں باجی ! ——— نواز صاحب اتنے اچھے ہیں۔ آپ انکے دفتر میں کام کرتی ہیں، وہ آپ کے دیکھے بھالے ہیں۔ انہوں نے آپ کی رضامندی دیکھی ہو گی۔ جبھی تو وہ آپ کے بھائی جان سے ملنے

آئے تھے۔"

عزت نے چونک کر پوچھا۔

"ملنے آئے تھے ــــ کہاں ملنے آئے تھے۔؟"

شبنم کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اسے نہیں کہنا چاہیئے تھا کہ وہ یہاں تھے۔ اب وہ عزت سے کیسے کہے گی کہ وہ یہاں آکر دل توڑنے والی باتیں کر رہے تھے ــــ نواز صاحب ــــ عزت کے باس تھے، اس کے آئیڈیل تھے اور اس کی زندگی کے مالک بننے والے تھے ــــ ہر حال میں ان کا احترام لازمی تھا۔ وہ نواز صاحب کے خلاف کوئی شکایت کر کے ان لوگوں کے درمیان تلخیاں نہیں پیدا کرنا چاہتی تھی۔

اس نے کہا۔

"وہ ــــ باجی ــــ یہاں مکان کے سامنے سے گزرتے ہوئے انہوں نے آپ کے بھائی جان کا پوچھا تھا ــــ وہ گھر میں نہیں تھے۔ اس لئے نواز صاحب بھی زیادہ دیر نہیں ٹھہرے۔ فوراً ہی چلے گئے۔

"آپ سے انہوں نے کیا باتیں کیں؟"

"مجھ سے ــــ مجھ سے بھلا کیا باتیں کریں گے۔ وہ تو مجھے نہیں

جانتے ہیں، انہوں نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔

شبنم کا جھوٹ پکڑا گیا۔ عزت جانتی تھی کہ نواز صاحب شبنم کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔

اس نے کہا۔

"بھابھی ــــ آپ مجھ سے جھوٹ کہہ رہی ہیں۔ نواز صاحب آپ کو جانتے ہیں، انہوں نے آپ سے ضرور باتیں کی ہوں گی۔ لیکن آپ چھپا رہی ہیں۔"

شبنم اپنے جھوٹ میں اُلجھ کر رہ گئی۔

"میں سچ کہتی ہوں باجی ــــ ان سے میری کوئی بات نہیں ہوئی ....."

عزت نے کہا۔

"ہوں ــــ جب وہ آپ کو نہیں جانتے ہیں تو وہ یہاں کیسے آگئے ــــ انہوں نے کیسے سمجھ لیا کہ بھائی جان سے آپ کے ہاں ملاقات ہو سکتی ہے۔

بھابھی ــــ میں کوئی نادان بچی نہیں ہوں، آپ کی آنکھیں بتا رہی ہیں کہ وہ یہاں آئے تھے، انہوں نے آپ سے صرف باتیں نہیں کیں، بلکہ مُسکرا کر بھی گئے ہیں۔

آپ مجھ سے حقیقت چھپانا چاہتی ہیں تو چھپایئے ——— میں ابھی جا کر نواز صاحب سے فیصلہ کرتی ہوں ——— انہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ یہاں آکر آپ کے دل کو ٹھیس پہنچائیں ——— آپ ہمارے گھر کی عزت ہیں ——— انہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ ہمارے گھریلو معاملات میں دخل اندازی کریں۔ میں ابھی جا کر ان سے دو ٹوک باتیں کروں گی۔"

وہ غصہ سے طنطناتی ہوئی جانے لگی۔

شبنم دوڑتی ہوئی اس کے پاس آئی اور اس کا بازو تھام کر بولی۔

"باجی ——— رک جایئے ——— نواز صاحب بہت اچھے آدمی ہیں ——— لڑکیوں کو ایسے رشتے بڑی مشکلوں سے ملتے ہیں ——— آپ آپس میں تلخیاں مت پیدا کیجیئے، آپ کا وہاں جانا مناسب نہیں ہے۔ ۔ ۔ ۔"

بھابھی ——— جو ہم مزاج نہ ہو، ہم خیال نہ ہو۔ میں اس کیساتھ زندگی نہیں گزار سکتی۔ یہ میرا فیصلہ ہے ——— میں مر سکتی ہوں لیکن فیصلہ نہیں بدل سکتی۔ ۔ ۔ ۔"

وہ ایک جھٹکے سے بازو چھڑا کر دروازے کے باہر چلی گئی۔

"اس نے اتنے اعتماد اور مستحکم لہجے میں اپنا فیصلہ سنایا تھا۔ کہ شبنم اسے روک نہ سکی ——— چپ چاپ کھڑی اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

اللہ ——— یہ بھائی بہن مجھے کتنا چاہتے ہیں ؛

میری زندگی سنوارنے کا کتنا بے لوث جذبہ ہے ان کے دل میں ؛

ایک کنواری لڑکی کا سب سے بڑا سرمایہ اس کے سہرے خوابوں کی تعبیر ہے اور عزت اپنی تعبیر کو پا کر بھی اسے قبول کرنے سے انکار کر رہی ہے۔

ٹھیک ہے کہ وہ نواز صاحب سے منسوب نہیں ہو گی لیکن نواز صاحب کے بعد پھر کبھی اس کے لیئے دوسرا رشتہ آئے گا تو کیا وہ شبنم کے وجود پر اعتراض نہیں کریں گے ؟ ——— ضرور اعتراض کریں گے۔ جب تک وہ ان کے خاندان میں رہے گی، عزت نیکنامی سے بیاہی نہیں جا سکے گی۔

نہیں ——— وہ ایک کنواری لڑکی کے ارمانوں کو آگ لگا کر اپنے ارمانوں کو روشن نہیں کر سکتی، اس سے پہلے کہ ان کے اور نواز صاحب کے درمیان پیدا ہونے والے اختلافات کوئی سنگین صورت اختیار کریں

اسے خود ہی فرہاد سے رشتہ توڑ لینا چاہیے۔

اس کی آنکھوں میں بہت دیر کے ٹھہرے ہوئے آنسو آگئے۔ وہ دروازے کے پاس سے پلٹ گئی اور ساڑی کے آنچل سے آنکھیں پونچھتی ہوئی بیڈ روم کی طرف جانے لگی۔

وہ پیار کے ایک ایک قطرہ کے لئے بھٹکتی رہی۔ لیکن انسانوں کے اس سمندر سے اسے شبنم کا ایک قطرہ بھی نہ ملا۔

فرہاد تھوڑی دیر تک ڈرائنگ روم کے قیمتی ساز و سامان اور اس کی آرائش کو دیکھتا رہا۔ فش ایکوریم کے نیلے پانی میں رنگ برنگی مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ پاؤں تلے دبیز اور ملائم قالین بچھے ہوئے تھے۔ صوفے اتنے آرام دہ تھے کہ بیٹھتے وقت کسی کی نرم آغوش کا گمان ہوتا تھا۔

ڈرائنگ روم کی سجاوٹ دیکھنے والے یا تو احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتے تھے یا پھر ایسے ہی خوب صورت گھر کی تمنا کرتے تھے فرہاد کے دل میں بھی تمنا پیدا ہوئی کہ اس کی بہن یہاں دلہن بنکر آئے اس بے چاری نے اپنی زندگی میں بڑی جدوجہد کی ہے ـــــ بھائی

بے روزگار تھا تو تنہا کہانیاں لکھ لکھ کر گھر کے تمام اخراجات پورے کرتی رہی تھی۔ اس کہانی لکھنے والی بہن کو ایک ایسے ہی آرام دہ گھر کی ضرورت تھی۔

نواز صاحب اپنے کمرے سے نکل کر زینے طے کرتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آئے اور مسکرا کر بڑی خوش اخلاقی سے مصافحہ کرتے ہوئے بولے۔

"فرہاد صاحب! آج کیسے راستہ بھول گئے۔ بھئی کبھی کبھی ہم غریبوں کے ہاں بھی آجایا کریں۔"

فرہاد نے مسکرا کر جواب دیا۔

"اگر غریبوں کے مکانات اتنے شاندار ہوتے ہیں تو میں بھی غریب ہی رہنے کی دعا مانگوں گا۔"

نواز صاحب نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"بھئی دنیا داری کے لئے بعض اوقات گھر کو بھی دکان کی طرح سجا کر رکھنا پڑتا ہے۔ بڑے بڑے کاروباری اور اعلےٰ خاندان کے لوگ ملنے آتے ہیں۔ جہاں چار لوگوں میں عزت ہو، وہاں بہت ہی سنبھل سنبھل کر تعلقات بحال رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ورنہ ذرا سی غلطی سے نیکنامی پر دھبہ لگ جاتا ہے۔"

وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے صوفوں پر بیٹھ گئے۔

فرہاد نے کہا۔

" آپ درست کہتے ہیں۔ اس دنیا میں نیکنامی کے لئے بڑی جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ ذراسی غلطی سے بدنامیاں گھر کا راستہ دیکھ لیتی ہیں۔ کل آپ غلطی سے اپنی انگھوٹھی عزت کے پاس چھوڑ گئے تھے۔ عزت اسے گھر لے آئی۔ اس نے سوچا تھا کہ دفتر کھلے گا تو آپ کو واپس کر دیں گی۔ اس کی نیت میں خلوص تھا۔ لیکن کوئی دوسرا اس انگوٹھی کو عزت کے پاس دیکھ لیتا تو کتنی بدنامی ہوتی ——— ؟ اسی لئے میں نے دفتر کھلنے کا انتظار نہیں کیا۔ سوچا کہ ابھی جا کر آپ کو دے آؤں۔ . . "

اس نے جیب سے انگوٹھی نکال کر ان کی جانب بڑھا دی۔

نواز صاحب نے خاموشی سے اس انگوٹھی کو لے لیا۔ انگوٹھی میں چمک نہیں تھی، جتنی کہ ان کی آنکھوں میں پیار کی چمک تھی۔ لمحہ بھر کے لئے ان کے سامنے عزت آکر کھڑی ہو گئی تھی۔ پھر وہ فرہاد کی موجودگی سے محتاط ہو کر خیالوں کی دنیا سے باہر آگئے۔

انہوں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

" فرہاد صاحب ——— ! واقعی مجھ سے غلطی ہو گئی۔ انگوٹھی ادھر ادھر پھینکی نہیں جاتی۔ بلکہ سلیقہ سے پیش کی جاتی ہے۔ اگر آپ اجازت

دیں تو میں آپ گھر آکر کچھ اہم باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

فرہاد ان کی باتوں کا مقصد سمجھ گیا۔ اس نے خوش ہو کر کہا۔

" میرے گھر کے دروازے آپ کے لئے کھلے ہیں۔ آپ جب چاہیں آ سکتے ہیں۔"

اسی وقت کال بیل کی آواز سنائی دی۔ ایک ملازم ٹرالی میں چائے اور ناشتہ لے کر آرہا تھا۔ وہ ٹرالی ان کے درمیان رکھ کر باہر جانے لگا۔

نواز صاحب کو اس وقت کسی کا آنا ناگوار گزر رہا تھا۔ انہوں نے ملازم سے کہا۔

" میں کسی سے ملنا نہیں چاہتا۔ کہہ دینا کہ صاحب گھر میں نہیں ہیں۔"

پھر انہوں نے مسکرا کر فرہاد سے کہا۔

" بڑی مشکل ہے۔ چھٹی کے دن بھی یہ ملنے والے اتنی فرصت نہیں دیتے کہ گھریلو معاملات سے دلچسپی لی جائے۔"

انہوں نے مٹھائی کی ایک ڈش فرہاد کی طرف بڑھائی۔

" شکریہ ——— ! میں صرف چائے پیوں گا۔"

" پھر بھی ——— کچھ تو لیجئے۔"

اس نے مجبوراً مٹھائی کا ایک چھوٹا سا پیس اٹھا لیا۔ اتنے میں دروازے

سے ملازم کی آواز آئی۔

"آیئے ـــــ تشریف لایئے!"

نواز صاحب جلدی سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ سامنے دروازے کا پردہ ہٹا کر عزت آ رہی تھی ـــــ فرہاد نے اسے دیکھتے ہی حیرت سے پوچھا۔

"تم ـــــ تم کیسے آ گئیں؟"

عزت نے نواز صاحب کو دیکھا پھر نظریں جھکا کر بولی۔

"بھائی جان ـــــ مجھے ایک اخبار میں اچھی ملازمت مل گئی ہے میں یہاں استعفا دینے آئی ہوں۔"

نواز صاحب کا مسکراتا ہوا چہرہ مرجھا گیا۔

انہوں نے کہا۔

"تم ـــــ تم یہ کیا کہہ رہی ہو۔ میں ـــــ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا، تم ایسا فیصلہ کرو گی۔"

فرہاد کو بھی اس کا یہ احمقانہ فیصلہ برا لگا۔ ابھی اس کا مستقبل سنوارنے کے لئے کتنی اچھی باتوں کا آغاز ہوا تھا اور وہ احمق لڑکی اپنی ہی خوشیوں کو برباد کرنے یہاں چلی آئی تھی۔

اس نے کہا۔

"عزت ـــــ! اچھی بھلی ملازمت کو چھوڑنا دانش مندی نہیں ہے نواز صاحب تمہاری قدر کرتے ہیں۔ اگر تمہیں کوئی شکایت ہے تو کہو۔ میں بھی یہاں موجود ہوں۔ شکایت دور کرنے کے لئے میں بھی نواز صاحب سے سفارش کروں گا۔"

عزت نے جواب دیا۔

"مجھے کسی سے شکایت نہیں ہے میں خود کو ماہنامہ "عزت" کے قابل نہیں سمجھتی۔ اس لئے استعفا دینا چاہتی ہوں۔"

نواز صاحب خاموش کھڑے تھے۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہے تھے، کہ عزت اپنی ملازمت سے نہیں بلکہ محبت سے استعفا دینے آئی ہے۔

فرہاد کو کچھ احساس ہوا کہ عزت کو نواز صاحب سے کوئی شکایت ہے اور بڑی اہم شکایت ہے۔ ورنہ وہ ایسے وقت نہ آتی ـــــ کیا وہ نہیں جانتی تھی کہ بھائی اس کے رشتے کے لئے نواز صاحب کو کریدنے آیا ہے ـــــ؟ وہ جانتی تھی۔ جان بوجھ کر ایسے وقت آئی تھی۔ اسے نواز صاحب کی حمایت کرنا چاہیئے تھا۔ وہ رسالے کی آڑ میں مخالفت کر رہی تھی۔

وہ تعلیم یافتہ تھی۔ اقرار اور انکار کے اظہار کا سلیقہ جانتی تھی۔ کیا وہ اشارتاً ملازمت سے انکار کر کے نواز صاحب کے رشتے سے انکار

کر رہی تھی ۔؟

وہ خود کو ماہنامہ "عزت" کے قابل نہیں سمجھتی یا نواز صاحب کے قابل نہیں سمجھتی ۔؟

اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی مٹھائی پلیٹ میں رکھ دی اور کہا۔

"عزت ——— کیا تمہیں نواز صاحب سے شکایت نہیں ہے ۔؟ سوچ سمجھ کر جواب دو . . . ."

وہ جواب دیتے ہوئے ہچکچانے لگی ۔

" ہمارے درمیان نظریات کا اختلاف ہے ۔ زندگی کی جو تلخ کہانیاں میں پسند کرتی ہوں ۔ وہ انہیں پسند نہیں آتیں ۔ ان کا خیال ہے ، کہ کہانی کا کوئی کردار اگر غلط راستے پر چل رہا ہے تو اس کے لئے نیکی کے دروازے نہیں کھولنے چاہیئے ۔"

" یہ کچھ غلط کہہ رہی ہیں ۔" ——— نواز صاحب نے کہا

" میرے کہنے کا انداز کچھ اور تھا ۔ میں نے کہا تھا کہ ایک بدکار عورت کو شریف خاندانوں میں پناہ نہیں دینی چاہیئے ۔ اگر انہیں پناہ دی جائے ، تو دوسری عورتوں کا حوصلہ بڑھے گا ، وہ بھی گناہ آلود زندگی گزاریں گی اور پھر کسی شریف خاندان میں پناہ لینے آجائیں گی ۔ دوسروں کی عبرت کے لئے گنہگار کو سزا دینا ضروری ہے ۔"

فرہاد اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا ۔ ساری باتیں اس کی سمجھ میں آگئی تھیں ۔

اس نے نواز صاحب سے کہا ۔

" میں آپ کے خیال سے متفق ہوں کہ گناہگار کو سزا ملنی چاہیئے ۔ لیکن وہ گناہ کی زندگی بہت پہلے ہی چھوڑ چکی ہو تو پھر اسے کس جرم کی سزا دی جائے ؟"

عزت نے کہا ۔

بھائی جان ——— میں ہر پہلو سے بحث کر چکی ہوں ان کا ایک ہی جواب ہے کہ ایک عورت کے لئے برسوں کی جدوجہد سے حاصل کی ہوئی عزت اور شہرت پر دھبہ نہیں لگایا جا سکتا ۔"

فرہاد کا سر جھک گیا ۔

وہ سر شبنم کی وجہ سے نہیں جھکا تھا ۔ بہن کے رشتے کی وجہ سے جھکا تھا ۔ وہ دنیا والوں کے سامنے شبنم کی حمایت میں بڑی بڑی مدلل تقریریں کر سکتا تھا ۔ لیکن بہن کے سسرال والوں کے سامنے سر اٹھا کر بات نہیں کر سکتا تھا ۔

شبنم نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ اس کی خاطر بڑی آزمائشوں سے گزرنا ہوگا ، بہتر ہے کہ پہلے عزت باجی کی شادی ہو جائے ۔ پھر ہم اپنے متعلق

سوچیں گے۔

لیکن شبنم سے اس کی شادی پہلے ہو، یا بعد میں —— فرق کیا پڑتا ہے. دل سے تو رشتے ہو ہی چکے تھے. وہ شبنم کو نہیں چھوڑ سکتا تھا —— نہ شبنم کو چھوڑ سکتا تھا اور نہ ہی بہن کی زندگی برباد کر سکتا تھا۔

عزت نے کہا۔

" بھائی جان —— ! مجھے اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا حق ہے۔ میں فیصلہ کر چکی ہوں، آپ کسی بات کی فکر نہ کریں۔"

" نہیں عزت —— ! فیصلے اتنی جلدی نہیں ہوتے، ہر پہلو پر غور کرنا پڑتا ہے۔ ہر اچھائی برائی پر نظر رکھنی پڑتی ہے. فیصلہ ایسا کرنا ہوگا کہ شبنم کا بھی دل نہ ٹوٹے اور نواز صاحب کی عزت پر بھی حرف نہ آئے۔"

عزت اور نواز صاحب دونوں اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے

فرہاد نے کہا۔

" میں شبنم کو لے کر اس شہر سے بہت دور چلا جاؤں گا۔ کوئی نہیں کہہ سکے گا۔ کہ نواز صاحب سے شبنم کا کوئی دور کا بھی رشتہ ہے۔"

عزت نے کہا۔

" میں اس فیصلے کو تسلیم نہیں کرتی، آپ کوئی جرم نہیں کر رہے ہیں کہ یہاں سے منہ چھپا کر کہیں دور چلے جائیں۔"

نواز صاحب نے کہا۔

" فرہاد صاحب ایک ایسا فیصلہ کر رہے ہیں کہ میری بات بھی رہ جاتی ہے اور ان کا مقصد بھی پورا ہو جاتا ہے۔ لیکن تم خواہ مخواہ ضد کر رہی ہو۔ ایک اچھے فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کر رہی ہو۔"

" میں اس لئے انکار کر رہی ہوں کہ نیکی چھپ کر نہیں کی جاتی — شبنم بھابھی کو گلے لگا کر ہم نیکی کی مثال پیش کریں گے تو دوسرے بھی سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ کہ عورت ہو، یا مرد —— غلطی ہر ایک سے ہوتی ہے کبھی جان بوجھ کر اور کبھی بے حد مجبوری کی بنا پر —— لیکن کبھی ان کا ضمیر بھی جاگتا ہے، وہ پوری سچائی اور ایمان سے توبہ کرتے ہیں۔ لہٰذا ایسے وقت ان کے لئے توبہ کے دروازے کھلنے چاہیئے۔

نواز صاحب —— ! میں قلمکار ہوں اور آپ ناشر ہیں۔ میں ستم رسیدہ لوگوں پر کہانیاں لکھتی ہوں اور آپ ان کہانیوں کو شائع کرتے ہیں۔ اگر ان ستم رسیدہ لوگوں سے ہماری ہمدردی صرف لکھنے پڑھنے کی حد تک ہے۔ تو یہ بڑے افسوس کی بات ہے، ہم اپنے رسالے کی کہانیوں میں بڑے روشن خیال مبلغ اور معاشرے کی اصلاح کرنے والے نظر

آتے ہیں. لیکن حقیقی زندگی میں اپنی عزت اور ناموس کی سفید چادر اوڑھ کر کسی گوشے میں بیٹھ جاتے ہیں کہ کہیں اس سفیدی پر دھبّہ نہ لگ جائے۔

بہرحال میں نے یہ اچھی طرح سمجھ لیا ہے کہ آپ کے ساتھ ٹھوس دلائل سے بھی بحث کرنے کا نتیجہ کچھ نہیں نکلتا. خواہ مخواہ آپ کا بھی وقت ضائع ہوتا ہے اور ہمارا بھی ــــ چلئے بھائی جان!"

وہ دروازے کی طرف جانے کے لئے پلٹ گئی. لیکن وہ آگے نہ بڑھ سکی. دروازے پر شبنم کھڑی ہوئی تھی.

"بھابھی ــــ آپ؟"

"شبنم ــــ تم یہاں کیسے آگئیں ـ؟" فرہاد نے پوچھا.

شبنم کی آنکھیں آنسوؤں سے دھل کر کنول کی پنکھڑیوں کی طرح صاف اور اجلی ہوگئی تھیں. اب ان میں آنسوؤں کی کمزوری نہیں تھی بلکہ اپنے آخری فیصلہ کا عزم و استقلال تھا. اس نے ماتھے پر بل ڈال کر فرہاد سے کہا.

"آپ میری کار لے کر یہاں چلے آئے. آپ کو احساس ہونا چاہیئے کہ کار کے بغیر مجھے کہیں آنے جانے میں کتنی دشواری پیش آسکتی ہے. بزنس پارٹنر ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ میری ضرورت کی چیزوں

کو بغیر اجازت استعمال کرنے لگیں."

اس کے لہجے میں روکھاپن اور بیگانگی تھی کہ عزت اور فرہاد اسے حیرانی سے تکنے لگے.

فرہاد نے ذرا سختی سے کہا.

"شبنم ــــ یہ تم کیا کہہ رہی ہو. کیا تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے؟"

"دماغ میرا نہیں آپ کا خراب ہوا ہے ــــ لایئے کار کی چابی دیجئے اور آئندہ اس بات کا خیال رکھیئے کہ ہم صرف بزنس پارٹنر ہیں. اس کے آگے اگر آپ کسی اور رشتے کی توقع کرتے ہیں تو یہ آپ کی نادانی ہے ـ"

نواز صاحب پرسکون کھڑے ہوئے اس کی باتیں سن رہے تھے. وہ اس لئے پرسکون اور مطمئن ہوگئے تھے کہ شبنم ان کے الجھے ہوئے مسائل کا حل پیش کر رہی تھی اور فرہاد سے کسی طرح کا بھی رشتہ قائم کرنے سے انکار کر رہی تھی.

عزت نے کہا.

"بھابھی ـ! یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں. کیا آپ کو احساس ہے کہ آپ بھائی جان کی توہین کر رہی ہیں؟"

شبنم نے اس کی طرف پلٹ کر کہا۔

"عزت صاحبہ ـــــ آپ مجھے کس رشتے سے بھابھی کہہ رہی ہیں۔ کیا آپ کے بھائی سے میری شادی ہو گئی ہے؟"

عزت سٹپٹا کر رہ گئی۔

شبنم کے موجودہ رویے کے پیش نظر وہ شادی سے پہلے اسے بھابھی نہیں کہہ سکتی تھی۔

شبنم نے تلخ لہجے میں کہا۔

"عزت صاحبہ ـــــ ! آپ کے بھائی جان سے تو کیا، میری شادی کسی سے نہیں ہو سکتی اور نہ ہی میں ایسے سہرے خواب دیکھنا چاہتی ہوں۔ اگر آپ لوگوں نے میرے متعلق کوئی ایسا خواب دیکھا ہے تو اسے بھول جائیے۔"

فرہاد اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

اس نے پوچھا۔

"شبنم ـــــ ! کیا تم عزت کی خاطر مجھ سے منسوب ہونے سے انکار کر رہی ہو؟"

عزت نے کہا۔

"ہاں بھائی جان ـــــ یہی بات ہے۔ بھابھی کو معلوم ہو چکا ہے

کہ نواز صاحب انہیں ۔ ۔ ۔ ۔"

شبنم نے جلدی سے چیخ کر کہا۔

"یہ جھوٹ ہے ـــــ نواز صاحب کے متعلق میں کچھ نہیں جانتی اور نہ ہی اب آپ لوگوں کے متعلق کچھ جاننا سمجھنا چاہتی ہوں ـــ میری کار کی چابی دیجئے ۔ ۔ ۔ ۔"

فرہاد نے کہا۔

"چابی نہیں ہے ـــــ تم میرے ساتھ واپس جاؤ گی۔ یہاں جو ڈرامہ تم کھیلنے آئی ہو۔ اسے میں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں اور تمہاری سمجھ میں نہیں آیا ہے تو اچھی طرح سن لو۔ میں نے دنیا والوں سے چھپ کر تمہیں اپنانے کا فیصلہ نہیں کیا تھا۔ میں نواز صاحب کے سامنے بھی یہی کہہ رہا ہوں کہ تم میری ہو اور ہمیشہ میری عزت بنکر رہو گی۔"

شبنم کمزور پڑ گئی۔ دونوں ہاتھوں سے چہرے کو ڈھانپ کر رونے لگی۔

"نہیں نہیں ـــــ آپ مجھے بھول جائیے۔ ـــــ مجھے چھوڑ دیجئے۔ ورنہ عزت باجی کے لئے کسی شریف گھرانے سے رشتہ نہیں آئے گا۔"

عزت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے بھیگی آنکھوں سے نواز

صاحب کو دیکھا تو انہوں نے سر کو جھکا لیا۔ انہیں ندامت سی ہو رہی تھی۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ شبنم کبھی بری تھی، اب بری نہیں ہے۔ اس کے آنسو اس کا عزم ــــ عزت کے لئے قربانی دینے کا جذبہ اور فرہاد کا اس پر بھرپور اعتماد ــــ یہ سب باتیں ظاہر کر رہی تھیں کہ اب شبنم میں کوئی کھوٹ نہیں ہے وہ صحیح معنوں میں ایک شریف خاتون کی طرح گھریلو زندگی گزار سکتی ہے۔

نواز صاحب اس کے کردار کی خوبیوں کو تسلیم کر رہے تھے لیکن وہی ایک بات آڑے آئی تھی کہ برکت علی جیسے لوگ طعنے دیں گے تو ان کی گردن شرم سے جھک جائے گی۔

وہ صوفہ پر بیٹھ گئے اور دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر سوچنے لگے۔

عزت سر جھکائے کھڑی تھی، شبنم منہ چھپائے رو رہی تھی۔ فرہاد نے اس کے شانے کو تھپک کر کہا۔

"آنسو پونچھ لو۔ جس فیصلہ میں سچائی ہوتی ہے وہ کبھی نہیں بدلتے ــ آؤ، ہم واپس چلیں ــ چلو عزت۔۔۔"

وہ تینوں واپس جانے لگے۔

نواز صاحب نے کہا۔

"ٹھہر جائیے ــــ جانے سے پہلے میری بھی کچھ سنتے جائیے۔ فرہاد صاحب ــــ سچ بات تو یہ ہے کہ میں شبنم سے نفرت نہیں کرتا۔ کوئی بھی پڑھا لکھا، سمجھدار آدمی شبنم کے نیک ارادوں کو دیکھ کر اس کی قدر کرے گا۔ اور اسے اچھی زندگی گزارنے کے بہترین مواقع دے گا۔

میں بھی شبنم کی قدر کرتا ہوں۔ لہٰذا اب مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں ہے۔

شکایت مجھے اپنے آپ سے ہے کہ مجھ میں وہ حوصلہ کیوں نہیں پیدا ہو رہا ہے جو آپ لوگوں میں ہے۔

میری نیکنامی، میری عزت اور شہرت نے مجھے کمزور بنا دیا ہے اتنا کمزور بنا دیا ہے کہ میں نیک مقاصد کے لئے بھی دنیا والوں سے نہیں لڑ سکتا ــــ آخر کیوں؟ آپ جیسا حوصلہ مجھ میں کیوں نہیں ہے آپ لوگ بھی عزت دار ہیں۔ لیکن اپنی عزت خطرے سے ڈال کر پوری دیانتداری سے شبنم کے حقوق کے لئے لڑ رہے ہیں اور میں ہوں کہ ایک سچائی سے کترا رہا ہوں۔"

عزت کے دل میں خوشی کی ایک لہر پیدا ہوئی۔ اگرچہ وہ اب بھی اپنی عزت اور نیک نامی کے خیال سے بہت محتاط تھے۔ لیکن وہ اس حد تک

سوچنے لگے تھے کہ شبنم کو اچھی زندگی گزارنے کے بہترین مواقع ملنے چاہیئیں۔

فرہاد نے ان کی باتوں کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

" واقعی یہ سوچنے کی بات ہے کہ آپ ہماری طرح پورے حوصلہ سے ایک نیک مقصد کے لئے کیوں نہیں لڑ سکتے ـــــ میرا خیال ہے نواز صاحب کہ جب تک کسی سے گہری محبت اور وابستگی نہیں ہوتی۔ اس وقت تک اس کی خاطر قربانی کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا ـــــ شبنم سے آپ کی گہری وابستگی نہیں ہے لیکن کسی دوسرے کے لئے ضرور ہوگی ـــــ پہلے آپ اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھئے۔ اگر آپ کسی کو دل کی گہرائیوں سے چاہتے ہیں تو اس کے اس کے متعلق یہ سوچئے کہ آپ اس کے لئے کیسی کیسی آزمائشوں سے گزر سکتے ہیں ؟"

نواز صاحب کی نظریں بے اختیار عزت کی جانب اٹھ گئیں ـــــ

ہاں، گہری وابستگی ہے۔

یہی وہ جان آرزو ہے جس کے لئے میں آزمائشوں سے گزرنے کا حوصلہ کر رہا ہوں ـــــ یہ سچ ہے کہ کسی کے لئے ہمدردی کا بے پناہ جذبہ ہو ـــــ کسی سے خون کا رشتہ ہو ـــــ یا کسی سے دل کا رشتہ ہو، تب ہی اس کے لئے کچھ کر گزرنے کا جذبہ پیدا ہوتا

ہے۔

نواز صاحب کی سوچ کچھ کمزور تھی۔ مگر یہ کیا کم تھا کہ رفتہ رفتہ ان میں حوصلہ پیدا ہو رہا تھا۔

ذرا دیر کے لئے وہ سوچ میں گم ہو گئے تھے۔ اچانک انہیں احساس ہوا کہ وہ مسلسل عزت کو دیکھے جا رہے ہیں اور وہ بھائی کی موجودگی میں جھجکتی ہوئی اپنے آپ میں سمٹی جا رہی ہے۔

وہ بھی جھینپ گئے۔

انہوں نے سر جھکا کر کہا۔

" فرہاد صاحب ـــــ ! آپ درست کہتے ہیں۔ گہری وابستگی ضروری ہے۔ انسان اسی کے لئے سوچتا ہے اور کچھ کر گزرتا ہے، جس سے اس کا خون کا رشتہ ہو، یا ـــــ یا پھر دل کا رشتہ ہو، میں اپنے دل سے مجبور ہو کر . . . ."

ان کی بات ادھوری رہ گئی۔ وہ باتوں کے دوران کسی کی مداخلت برداشت نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے گھور کر دروازے کی جانب دیکھا۔ ان کے والد سلیم احمد سبزی کی ٹوکری اٹھائے بازار سے آ رہے تھے۔ اور اب ڈرائنگ روم سے گزر کر کچن کی طرف جانا چاہتے تھے۔

آنے والے کو سب ہی نے دیکھا ـــــ شبنم نے بھی دیکھا

پھر دیکھتی ہی رہ گئی ــــ چہرہ خوب جانا پہچانا تھا۔ کبھی وہ چہرہ جوان تھا ــــ مگر اب اس پر بڑھاپے کی پرچھائیاں تھیں۔

جوانی سے بڑھاپے تک عمر بدلتی ہے، چہرہ نہیں بدلتا۔ اس نے باپ کے چہرے کو پہچان لیا۔

سلیم احمد بھی ٹھٹھک کر کھڑے ہو گئے اور حیرانی سے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھنے لگے ــــ جب انہوں نے بیٹی کو آخری بار دیکھا تھا۔ اس وقت وہ چودہ برس کی تھی، جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ رہی تھی۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا ــــ وہ پہلے دبلی پتلی سی تھی اب صحت مند نظر آ رہی تھی۔ ذرا سا فرق پیدا ہوا تھا۔ پہلے وہ نوجوان تھی، اب جوان ہو گئی تھی، لیکن چہرہ وہی تھا۔

سلیم احمد کے ہاتھ سے سبزی کی ٹوکری چھوٹ گئی۔ وہ تڑپ کر بیٹی کی طرف بڑھے۔

"میری بچی ــ!"

شبنم بھی ان کی جانب بڑھی۔

باپ نے محبت سے گلے لگانا چاہا لیکن اس سے پہلے ہی بیٹی نے اس کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑ دیا۔

اور چیخ کر بولی۔

"ابا ــــ! تم زندہ ہو ــــ؟ کیوں زندہ ہو ــــ؟ تم مر کیوں نہ گئے ــــ؟ میری ماں پر ظلم کرنے والے قصائی ــــ تم نے اسے گھر سے بے گھر کر دیا ــــ مجھے دربدر کی ٹھوکریں کھانے کے لئے چھوڑ دیا ــــ اب کیا بیٹی کی بربادی کا تماشہ دیکھنے کیلئے زندہ ہو....."

عزت اور فرہاد شدید حیرانی سے دیدے پھیلائے شبنم کو دیکھ رہے تھے۔

اور نواز صاحب کے ذہن میں تو آندھیاں چلنے لگی تھیں۔ یہ اچھی طرح واضح ہو چکا تھا کہ شبنم ان کی گمشدہ بہن ہے۔ پھر بھی انہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔ انہوں نے اپنے طور سے سوچ رکھا تھا کہ ان کی بہن کسی اچھے گھرانے میں خوشگوار ازدواجی زندگی گزار رہی ہو گی۔ ان کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ جس سے وہ نفرت کر رہے تھے، جسے وہ اپنے شریف سماج میں قبول کرنے سے انکار کر رہے تھے۔ وہ ان کی اپنی ہی بہن ہے۔

سلیم احمد کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور شبنم انہیں پاگلوں کی طرح جھنجھوڑتی جا رہی تھی۔

"تماشہ ہی دیکھنے کے لئے زندہ ہو تو دیکھو ـــــ اب میں کسی شریف خاندان کی بیٹی یا کسی عزت دار آدمی کی بہن نہیں بن سکتی ۔ ۔ ۔ ۔

نواز صاحب یوں تڑپ گئے جیسے منہ پر زبردست طمانچہ پڑا ہو ۔

"میں کسی کی بیٹی نہیں ہوں ۔ میں کسی کی بہن نہیں ہوں ۔ میں کسی کی شریک حیات بننا چاہتی ہوں تو اس گھر کی جوان لڑکی پر میرا منحوس سایہ پڑ جاتا ہے ۔ میں شرافت کی زندگی گزارنا چاہتی ہوں تو میرے ماضی کی سیاہی میرے چہرے پر پھیل جاتی ہے ۔

شرابی ـــــ تم یہاں کیوں آئے ہو ؟ ـــــ کہاں سے بھٹک کر آ گئے ہو ـــــ آ ہی گئے ہو تو نواز صاحب کو بتا دو کہ میں ماں کے پیٹ سے کسی کی داشتہ بن کر پیدا نہیں ہوئی تھی ۔ "

فرہاد نے آگے بڑھ کر سلیم احمد کے گریبان کو اس کے ہاتھوں سے چھڑا دیا ۔

اور اسے سمجھانے لگا ۔

"شبنم ـــــ ہوش میں آؤ ـــــ اس طرح نہ چیخو ـــــ یہ تمہارے والد ہیں ـــــ ان کی عزت کرو ـــــ غلطی ہر انسان

سے ہوتی ہے ـــــ پچھلی باتوں کو دہرانے سے غلطیوں کی تلافی نہیں ہو سکتی ۔ انہیں بھول جانا ہی بہتر ہے ۔"

عزت نے قریب آ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا ۔

"بھابھی ـــــ آپ کے ابا کی جھکی ہوئی گردن اور بہتے ہوئے آنسو بتا رہے ہیں کہ وہ اپنی غلطیوں پر نادم ہیں ۔ آپ نے جو کچھ بھی کہا ۔ انہوں نے ایک مجرم کی طرح سر جھکا کر خاموشی سے سن لیا ۔ جیسے اپنی غلطیوں کا احساس ہو جائے اسے معاف کر دیا جاتا ہے بھابھی ۔ ۔ ۔ "

شبنم اس سے لپٹ کر رونے لگی ۔

سلیم احمد دونوں ہاتھوں سے چہرے کو چھپائے سسک رہے تھے ـــــ انہوں نے آہستہ آہستہ آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹا کر نواز صاحب کی جانب دیکھا ۔

وہ گم صم کھڑے ہوئے تھے ـــــ ان کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں اور چہرے کا رنگ ایک دم پھیکا پڑ گیا تھا ـــــ وہ خاموش تھے اور سوچ رہے تھے کہ اتنی اونچی شاندار کوٹھی کی دیواریں اب تک کس طرح کھڑی ہیں ۔ یہ گر کیوں نہ گئیں ۔

یہ شاندار کوٹھی ایک خوب صورت اشتہار تھی ۔ اسے دیکھ کر نواز احمد درانی کی امارت اور شان و شوکت تسلیم کی جاتی

صرف کوٹھی شاندار نہیں تھی۔ نواز صاحب کی شخصیت بھی دیدہ زیب تھی۔ اس شخصیت کو دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ ان کے پیچھے، ماضی میں ایک تباہ حال گھرانے کی عبرت ناک داستان چھپی ہوئی ہے۔

ان کی پھیلی ہوئی آنکھیں شبنم پر مرکوز تھیں —— یہ وہی دودھ پیتی بچی تھی جسے انہوں نے بارہا اپنی گود میں کھلایا تھا —— دودھ کی نہر بہہ رہی تھی۔ اس دودھ کی نہر سے دونوں ہی بہن بھائی سیراب ہوتے رہے تھے۔

ماں نے دونوں کو کبھی پیاسا نہیں رکھا۔ لیکن بھائی نادانستگی میں بہن کو پیاسا مارتا رہا۔ وہ پیار کے ایک ایک قطرے کیلئے بھٹکتی رہی۔ لیکن انسانوں کے اس سمندر سے اسے شبنم کا ایک قطرہ بھی نہ ملا۔

اور جب فرہاد نے اپنے عمل کے تیشہ سے اس کے لئے ایک نہر کھول دی تو وہ خود اپنی بہن کے راستے میں دیوار بن گئے۔

سلیم احمد نے روتے اور جھجکتے ہوئے کہا۔

"بیٹا نواز —— میں شرابی ہوں —— گناہگار ہوں —— ایک مجرم کی زبان سے بیٹی کو بیٹی نہیں کہہ سکتا —— تم ہی اسے بہن کہہ کر گلے لگا لو۔۔۔۔"

شبنم نے قدرے تلخی سے کہا۔

"ابا —— ! آپ کتنی اونچی ہستی کو اپنا بیٹا کہہ رہے ہیں۔ آپ کتنے عظیم انسان سے التجا کر رہے ہیں کہ وہ مجھ جیسی ذلیل عورت کو اپنی بہن بنا کر گلے سے لگائیں ۔ آپ ہوش میں تو ہیں۔"

"بیٹی —— ! میں پوری طرح ہوش میں ہوں —— یہ نواز میرا بیٹا ہے ۔ تمہارا سگا بھائی ہے۔ میں اس سے التجا نہیں کروں گا۔ تو اور کس سے کروں گا۔؟"

"بھائی —— !" شبنم نے چونک کر انہیں دیکھا —— "یہ —— یہ میرے بھائی —— ہیں ؟"

فرہاد بھی غیر یقینی نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔ اسے اپنے کانوں سے سن کر بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔ کہ وہ بوڑھا شخص نواز صاحب کو شبنم کا سگا بھائی کہہ رہا ہے۔

عزت آرا بھی ایک ٹک اپنے محبوب کو اپنے آئیڈیل کو دیکھ رہی تھی، د
جن کے اُجلے دامن میں تل برابر سیاہی کا دھبہ نہ تھا۔ انہیں ٹھکرائی ہوئی عور
کا بھائی کہاں جا رہا تھا۔

کہنے سے کیا ہوتا ہے ؟

کوئی مزدوری تو نہیں ہے کہ سلیم احمد سچ کہہ رہے ہوں۔

سچ تو اس وقت مانا جائے گا جب نواز صاحب اپنی زبان سے اعتراف

کریں گے۔

اور نواز صاحب نظریں چرا رہے تھے۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ عزت انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی ہے۔ وہ زبان سے کچھ نہیں کہہ رہی ہے۔ لیکن اس کی نظریں نشتر بن کر اُن کے دماغ میں چبھ رہی ہیں۔

مارے ندامت کے وہ کٹے جا رہے تھے۔

وہ حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اتنی تلخ حقیقت کو تسلیم کرنا اور اس عورت کو بہن کہنا، جس پر وہ کیچڑ اچھالتے رہے تھے —— یہ کتنا مشکل مرحلہ تھا، نہ اقرار کر سکتے تھے۔ یہ انکار کر سکتے تھے۔ اور نہ ہی منہ چھپا کر فرار کا راستہ تلاش کر سکتے تھے۔

وہ ان کی طرف سے منہ پھیر کر کھڑے ہوئے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ ڈگمگاتے ہوئے زینے کی طرف جانے لگے۔

" نواز صاحب —— !" فرہاد نے آواز دی، —— " یہ —— یہ شبنم کے متعلق کیا کہہ رہے ہیں —— کیا یہ —— سچ ہے ؟"

نواز صاحب کے قدم چند لمحات کے لئے زینے پر رکے۔ پھر وہ بلندی کی طرف جانے لگے۔

بلندی —— جس پر انہیں کبھی بڑا ناز تھا۔

بلندی —— جسے پا کر انسان پستی کو بھول جاتا ہے۔ اس طرح بھول جاتا ہے، کہ

بہن کا چہرہ بھی دھندلا جاتا ہے۔

وہ درمیانی زینے پر پہنچ گئے۔ یہ وہی جگہ تھی۔ جہاں عزت آرا نے پہلی بار انہیں دیکھا تھا۔ انہیں اس شاہانہ ڈرائنگ روم میں اتنے اونچے مقام پر دیکھ کر وہ ان کی شخصیت سے متاثر ہو گئی تھی۔

وہ آج بھی متاثر تھی۔ لیکن شخصیت کے اس آئینہ میں ذرا سا بال پڑ گیا تھا۔ یہ بڑی بات ہے کہ وہ سچائی کو تسلیم نہیں کر رہے تھے۔ ان سے نظریں نہیں ملا رہے تھے۔ منہ چھپا کر پھر بلندی کی طرف جا رہے تھے۔

بلندی پر جانا اچھی بات ہے۔ لیکن تنہا کیوں —— ؟ اپنے ساتھ بہن کو بھی کیوں نہیں لیجاتے —— ؟

یہ کیسی خود غرضی ہے ؟

کیا عزت اور شہرت کے خیال سے اور سماج کے ڈر سے وہ اپنے ہی خون کے رشتے سے انکار کر سکتے ہیں ؟

نہیں —— انکار نہیں کر سکتے تھے۔ البتہ اقرار کرنے کے لئے ذرا سے حوصلے کی ضرورت تھی۔

وہ زینے کی انتہائی بلندی پر پہنچ رہے تھے۔ اسی وقت شبنم نے کہا۔

" ابا —— ! تم مجھے کسی کی بہن بنا کر میری عزت بڑھانا چاہتے ہو۔ لیکن کسی کو میرا بھائی بنا کر اس کی توہین کر رہے ہو۔ کیونکہ بعض اوقات کچھ لوگوں

کے لئے بھائی کا لفظ ایک گالی بن جاتا ہے۔

لیکن مجھ جیسی عورت کے لئے جو آج تک خود کو سمجھتی رہی' یہ بھائی کا رشتہ سب سے زیادہ اہم اور مقدس ہے۔

شاید دنیا والوں کے سامنے میں اس مقدس رشتے کو زبان پر نہ لا سکوں، لیکن یہاں تنہائی میں ایک بار تو بھائی جان کہہ سکتی ہوں۔

بھائیجان ۔۔۔۔!"

بہن کی آواز میں ایسا درد تھا کہ نواز صاحب کا سارا وجود لرز گیا۔ قدم ڈگمگا گئے اور وہ زینے پر سے لڑھکنے لگے۔

شبنم اور عزت کے حلق سے نکلنے لگیں۔ فرہاد اور سلیم احمد دوڑتے ہوئے، زینے پھلانگتے ہوئے آگے بڑھے۔ پھر انہیں درمیان کے زینے پر ہی روک لیا۔

وہ بری طرح زخمی ہونے سے بچ گئے تھے۔ شاید ہڈیوں میں چوٹ آئی ہو۔ بظاہر پیشانی سے خون بہہ رہا تھا۔

شبنم اور عزت بھی ان کے قریب پہنچ گئیں ان کی آنکھیں بند تھیں اور وہ گہری گہری سانسیں لے رہے تھے۔

"نواز صاحب ۔!"

فرہاد نے انہیں آواز دی۔ انہوں نے آنکھیں کھول کر دیکھا، سلیم احمد نے پوچھا۔

"بیٹے ــــــ ! تم اوپر کیوں جا رہے تھے۔ کیا میری بات بری لگی ہے ؟"

انہوں نے آہستگی سے کہا۔

"نہیں ــــــ میں بلندی پر جا رہا تھا ــــــ پستی میں آنے کے لئے ــــــ کیونکہ پستی میں آئے بغیر انسان اپنے سے چھوٹوں کا دکھ درد نہیں سمجھ سکتا۔

"ماں نے جو دودھ بہایا۔ اس بہتی ہوئی دودھ کی نہر کے آگے میں اپنی عزت اور نیکنامی کے بندھ نہیں باندھ سکتا۔ کیونکہ دودھ اور خون کے رشتے کے سامنے دنیا کی ہر چیز کمزور پڑ جاتی ہے ــــ یہاں کوئی فلسفہ کام نہیں آتا ــــــ تمام نظریات پھیکے پڑ جاتے ہیں اور سماج میں رہنے کے طریقے یہاں سے بدل جاتے ہیں۔

یہاں سے ذلت کا احساس اور بدنامیوں کا خوف مٹ جاتا ہے اور سماج کے بوڑھے قانون سے لڑنے کا ایک نیا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔

فرہاد صاحب آپ نے ٹھیک کہا تھا کہ جب تک کسی سے گہری محبت اور وابستگی نہیں ہوتی۔ اس وقت اس کی خاطر قربانی کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا۔

یہ سچ ہے انسان اسی کے لئے سوچتا ہے اور کچھ کر گزرتا ہے ــ جس سے اس کا دل کا رشتہ ہوتا ہے ــــــ یا خون کا رشتہ

ہوتا ہے۔

اور شبنم سے میرا خون کا رشتہ ہے۔

یہ میری برسوں کی بچھڑی ہوئی بہن ہے ۔ ۔ ۔ ۔"

یہ کہہ کر انہوں نے شبنم کے دونوں بازوؤں کو تھام لیا۔

شبنم کچھ حیران تھی، کچھ گھبرائی ہوئی سی تھی۔ قسمت کی اس ستم ظریفی پر کچھ یقین آ رہا تھا اور کچھ بے یقینی بھی تھی۔

دونوں بھائی بہن چند لمحوں تک ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پرانے رشتے کی پہچان کرتے رہے۔ پھر نواز صاحب نے اسے کھینچ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔

شبنم بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

عزت کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔

اس نے بھیگی آنکھوں سے نواز صاحب کو دیکھا۔ ابھی ان سے بہت سی شکایتیں تھیں کہ ـــــ کیوں ـــــ اب شبنم کو گلے کیوں لگا رہے ہیں ـــــ؟ یہ کیسی خود غرضی ہے ـــــ؟ اب جو درد شبنم کے لئے پیدا ہوا، وہ پہلے کیوں نہ پیدا ہوا؟ ـــــ

یہ کیسی دنیا ہے۔ دوسرے کے عیبوں پر کیچڑ اچھالتی ہے۔ اور اپنے عیبوں کو گلے لگا کر اسے ساری دنیا سے چھپانے کا فیصلہ کر لیتی ہے۔

ہے۔

فرہاد آہستہ آہستہ چلتا ہوا آیا اور عزت کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"عزت ـــــ! جب تک اپنا ہاتھ نہیں جلتا۔ اس وقت تک انسان دوسروں کی جلن کو نہیں سمجھتا۔

آج نواز صاحب جل گئے ہیں۔

اس جلن کی جان لیوا تکلیف انہیں ہمیشہ یاد رہے گی۔

اب وہ صرف اپنے لئے نہیں، دوسروں کے لئے بھی درد محسوس کریں گے۔ اب تم بھی نواز صاحب سے صلح کر لو۔ یہ کیا کم ہے کہ ان کی عزت اور نیک نامی کی کمزور دیواریں ٹوٹ گئی ہیں ـ؟"

عزت کی آنکھوں میں آنسو مسکرانے لگے۔ اس نے آنسوؤں کی دھندلاہٹ میں دیکھا ـــــ نواز صاحب، شبنم کو سینے سے لگائے اس کے آنسو پونچھ رہے تھے ـــــ نہیں صرف آنسو نہیں پونچھ رہے تھے، سماج کے چہرے پر جمی ہوئی گرد صاف کر رہے تھے۔

ختم شد